بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالم ربانی، فقیہ اِسلام، امام احمد ابن رجب **حنبلی** (م ۷۹۵ھ)

کی مایۂ ناز کتاب '**لطائف المعارف**' کے پہلے باب کا ترجمہ

اِسلامی تقویم کا پہلا مبارک مہینہ

محرم الحرام

اہمیت و جامعیت، معارف و نکات، اَعمال و وظائف

-: **ترجمہ و ترتیب** :-

ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، جنوب افریقہ

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ الأُمِّيُّ

تفصیلات

نام کتاب : (الموسم الأول من) لطائف المعارف...

مصنف : اِمام زین العابدین عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی [۷۹۵ھ]

نام ترجمہ : محرمُ الحرم: اہمیت وجامعیت، معارف ونکات، اعمال ووظائف

مترجم : ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی عفی عنہ
دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

غایت : حیاتِ مستعار کی قدر شناسی، اور اِصلاحِ ظاہر وباطن

تصویب : مفکر اِسلام، مصلح ملت علامہ مفتی محمد عبدالمبین نعمانی قادری دام ظلہ

کتابت : قادری کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ سینٹر، چریاکوٹ، مئو، یوپی

صفحات : ایک سو اٹھائیس (۱۲۸)

اشاعت : ۲۰۱۸ء - ۱۴۴۰ھ

قیمت : /روپے

تقسیم کار : اِدارہ فروغِ اسلام، چریاکوٹ، مئو، یوپی، انڈیا 276129

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o

شرفِ انتساب

منبع صدق وصفا، معدنِ جود وسخا، کوہِ صبر ورضا، آئینۂ عشق ووفا،

نمونۂ زہد وورع، شاہ گل گوں قبا، محافظ دین مصطفٰے،

شہید کربلا، نواسۂ رسولِ حق نما، اِبن شیرِ خدا،

نورِ چشم فاطمہ زہرا

حضور عالی مقام سیدنا اِمام حسین رضی اللہ عنہ

کے نام

یا شہید کربلا، یا دافع کرب و بلا
گل رخا، شہزادۂ گلگوں قبا اِمداد کن

-: طالب عفو وکرم :-

محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ ابن رجب حنبلی - اَحوال و آثار-

آپ کا اِسم گرامی عبدالرحمٰن ہے۔ سلسلۂ نسب یوں جاتا ہے: ابن احمد بن عبدالرحمٰن رجب بن حسن بن محمد بن مسعود سلامی؛ مگر شہرت 'ابن رجب حنبلی' کے نام سے ملی۔ آپ متوطناً بغدادی، عقیدتاً اَشعری، اور مذہباً حنبلی تھے۔ زین الدین اور ابوالفرج آپ کے اَلقاب ہیں۔

ولادت: عالم اِسلام کی یہ عبقری المرتبت شخصیت جسے دنیا امام، حافظ، مقری، محدث، مفسر، فقیہ اور زاہد کے اَلقاب وخطابات سے یاد کرتی ہے، بروز ہفتہ ١٥/ ربیع الاوّل ٧٣٦ھ، مطابق ٤/ نومبر ١٣٣٥ء دارالسلام بغداد (موجودہ عراق) کے ایک علمی و مذہبی اور صلاح وتقویٰ کے حوالے سے مشہور گھرانے میں پیدا ہوئی۔

آپ کی تاریخ ولادت میں کافی اِختلاف واقع ہوا ہے، مورخ العلیمی (م ٩٢٧ھ) نے سال ولادت ٧٠٦ھ لکھا ہے جب کہ ابن حجر نے انباء الغمر میں سال ولادت ٧٣٦ھ لکھا ہے۔ خود العلیمی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن رجب ٧٤٤ھ، مطابق ١٣٤٣ء میں بغداد سے دمشق آئے اور اس وقت وہ کم سن تھے۔ اب اگر سال ولادت ٧٣٦ھ تسلیم کیا جائے تو ٧٤٤ھ تک عمر ٨ سال ہوتی ہے اور اگر سال ولادت ٧٠٦ھ تسلیم کی جائے تو عمر ٣٨ سال ہوتی ہے اور اڑتیس سالہ آدمی کم سن نہیں ہوتا۔

سالِ ولادت ٧٣٦ھ کے متعلق خود علامہ ابن رجب کا ایک قول قوی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھتے ہیں:

تبعت دروس شرف الدين سنة إحدى أربعين و سبع مائة و كنت صغيرا .

یعنی میں شرف الدین کے دروس میں ۷۴۱ھ ہی سے شرکت کر رہا ہوں، حالاں کہ اس وقت میری عمر بہت کم تھی۔

صاحب شذرات الذہب، ابن العماد نے اِن کی دمشق آمد کے متعلق لکھا ہے :

قدم من بغداد مع والده اِلی دمشق وهو صغیر سنة أربع و أربعین و سبع مائة .(۱)

یعنی وہ اپنے والد کے ہمراہ ۷۴۴ھ میں بغداد سے دمشق آئے۔ اور اس وقت آپ کافی کم عمر تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے بھی الدرر الکامنۃ میں علامہ ابن رجب کا سال ولادت ۷۰۶ھ لکھا ہے جو خود ان کی اپنی تصنیف انباء الغمر کی روایت کے خلاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ الدرر الکامنۃ کے ناقل سے ۳ کا ہندسہ لکھنے سے رہ گیا اور اس نے ۷۳۶ھ کی بجائے غلطی سے ۷۰۶ھ لکھ دیا۔ بعد ازاں اِمام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے بھی ذیل طبقات الحنابلۃ میں اور المکی نے السحب الوابلۃ میں الدرر الکامنۃ کے تتبع میں ۷۰۶ھ ہی لکھ دیا ہے جب کہ مؤرخ العلیمی، ابن العماد، اور علامہ ابن حجر کی انباء الغمر والی روایت میں سال ولادت ۷۳۶ھ صحیح اور راجح معلوم ہوتا ہے۔(۲)

تاریخ میں ابن رجب نام کی اور شخصیتیں بھی ملتی ہیں؛ مگر جب بھی 'ابن رجب' بولا جائے تو علی الاطلاق اس سے مراد امام ابن رجب حنبلی ہی ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کا ان پر خاص فضل و کرم اور ان کے علم و فضل میں عظمت و انفرادیت کی دلیل ہے۔

آپ کے آبا و اجداد اس زمانے کے علم و فضل کے ستون سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے دادا کی علمی مجلسوں کی خاص شہرت تھی اور خود آپ بھی ان کی مجلسوں کے حاضر باشوں میں سے تھے۔

---

(۱) شذرات الذہب: ۵۷۹/۸۔ دار ابن کثیر، بیروت، لبنان۔

(۲) دائرۃ المعارف الاسلامیہ [انسائیکلوپیڈیا آف اسلام]: ۵۲۱/۱۔

جدکریم: آپ کے دادا ابواحمد رجب بن حسن بن محمد کا نام بھی عبدالرحمٰن تھا، اور ماہِ رجب المرجب میں شرفِ تولد حاصل کرنے کی مناسبت سے آپ کو رجب کہا جاتا تھا، چنانچہ امام موصوف کو اپنے دادا کی اسی نسبت کے باعث 'ابن رجب' کہا جانے لگا۔ آپ کے دادا نے 'ثلاثیاتِ بخاری' کا سماع کیا اور آگے دوسروں تک پہنچایا۔ یوں ہی حضرات معید بن مجلح اور ابن غزال وغیرہما سے بھی آپ کا سماع ثابت ہے۔ آپ بغداد کے بہت بڑے عالم وفقیہ تھے۔ بارہا آپ پر اس کی قراءت کی گئی اور امام موصوف وہاں حاضر تھے، اور اس وقت آپ کی عمر یہی کوئی چار یا پانچ سال رہی ہوگی۔ ۷۴۲ھ میں وصال فرمایا۔

والدمحترم: آپ کے والد کا نام ابوالعباس احمد بن رجب عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد بن مسعود سلامی بغدادی تھا۔ بڑے بابرکت، فیض بخش، دین دار اور صاحب علم وفضل تھے۔ دمشق میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جب کہ بغداد ہی میں پیدا ہوئے اور وہاں پلے بڑھے، تعلیم وتربیت پائی، روایات کی قراءت کی، مشائخ وقت سے سماع کیا، طلب حدیث میں منہمک رہے؛ حتیٰ کہ جلیل القدر عالم ربانی بن کر اُٹھے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اُن کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے اہل وعیال سمیت سوے دمشق ہجرت اختیار کر لی تھی، وہیں آپ کی اولاد کو مشائخ وقت سے سماع کا موقع میسر آیا، علاوہ بریں حجاز وقدس کے محدثین سے بھی فیض سماع حاصل کیا۔ دمشق میں آپ نے سلسلہ تدریس شروع کیا، اور خلق کثیر نے آپ کے علوم ومعارف سے نفع حاصل کیا۔ ۷۷۴ھ یا اس سے کچھ قبل وصال ہوا۔

علامہ علیمی نے اپنے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ ابن رجب نے ۷۴۴ھ میں بہت معمولی سی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ بغداد سے دمشق کا سفر کیا تھا۔ والد کے خصوصی اِعتنا وتوجہ کے باعث حدیث کے سماع میں مشغول ہوگئے تھے، جہاں آپ کے استاذ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن خباز (م ۷۵٦ھ) اور ابراہیم بن داؤد العطار (م ۷۵۲ھ) وغیرہ تھے۔

پھر آپ کے والد آپ کو لے کر مصر آئے، جہاں آپ کو محدث شہیر صدرالدین ابوالفتح

میدومی (م۷۵۴ھ)، محدث جلیل ابو الحرم محمد بن قلانسی (م۷۶۵ھ)، ابن بخاری کے خصوصی اَحباب وتلامذہ اوراصحاب آثار واَخبار کی ایک جماعت سے سماع کا فیض وشرف حاصل کیا۔ یوں ہی والدمحترم کی معیت میں آپ کورحلہ مکہ معظّمہ کی سعادت بھی میسر آئی جہاں معروف فقیہ وزاہد عثمان بن یوسف (م۷۵۷ھ) سے سماعِ حدیث کا اِعزازنصیب ہوا۔

یوں ہی ابن حجر عسقلانی کے شیخ' حافظ حدیث امام زین الدین عراقی (م۸۰۶ھ) بھی اکثریت سے آپ کے رفیق سماع رہے۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ (م۷۵۱ھ) کی مجالس علم سے بھی اکتساب علم کیا۔ ابن نقیب احمد بن لولوشافعی مصری (م۷۶۹ھ) اور علاء الدین احمدنووی (م۷۴۹ھ) سے آپ کو اجازات حاصل ہیں۔ (یہ معروف امام شیخ ابو زکریا نووی[م۶۷۶ھ] کے علاوہ ہیں)

امام ابن رجب حنبلی نے علوم وفنون کی تحصیل میں بڑی جاں فشانی سے کام لیا اور آنے والے وقت میں علم وکمال کا آفتاب بن کر ضیا بخش عالم ہوئے۔ ابن حِجّی فرماتے ہیں: فن حدیث میں آپ نے مہارتِ تامہ حاصل کی اوراور علل وتتبع طرق کے حوالے سے اپنے عہد میں شہرت واقبال کے ذروۂ کمال تک پہنچے۔ اکثریت سے ہمارے دمشقی رفقاے حنابلہ آپ ہی کے حلقہ درس سے وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: مشاہیر وقت کے خوانِ علم سے آپ نے ریزہ خواری کی، ان کے فیض وافادہ کی نہر سے سیراب ہوئے، حدیث وفقہ میں عبور کامل حاصل کیا، خصوصاً فنونِ حدیث مثلاً اسماے رجال، علل، طرق اور معانی حدیث وغیرہ میں مہارت وحذاقت پیدا کی۔

علامہ علیمی نے آپ کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے: شیخ امام، عالم عامل، علامہ، زاہد، قدوہ، برکہ، حافظ، عمدہ، ثقہ، حجۃ، زین الملۃ والشریعہ والدنیا والدین، شیخ الاسلام، یکے از اعلام، واعظ المسلمین، مفید المحدثین، جمال المصنّفین۔

سلف صالحین کی حیاتِ تاباں کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ علم وفن کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق اور فضائل ومحامد کی طرف بھی خاص توجہ فرماتے تھے، امام ابن رجب کو اللہ تعالیٰ نے علمی گہرائی اور پختگی کے ساتھ زہد وتقوی، خشیت و پاکبازی اور اللہ سے قربت وتعلق، نفس کی پاکیزگی وتزکیہ جیسی صفات سے پوری فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

آپ فضل وکمال، اور تقوی وورع میں اپنی نظیر آپ تھے۔ عزلت نشینی کے خوگر، فروغ علم میں کوشاں اور تصنیف وتالیف میں کامل انہاک رکھتے تھے۔ نہ عوامی اور سماجی معاملات سے آشنا تھے اور نہ ہی حکامِ وقت ارباب سلطنت سے کوئی سروکار تھا۔ قصاعین کے مدرسہ سکریہ میں سکونت پذیر تھے۔

آپ کی مکانت علمی کا پایہ اتنا بلند تھا کہ لوگ کشاں کشاں آپ کی دہلیز کی طرف کھنچے آتے تھے۔ دلوں میں آپ کی محبت وعقیدت کے گلاب کھلے ہوئے تھے۔ آپ کی مجالس علمیہ دل کی دنیا میں انقلاب بپا کردیتی تھیں، عوام وخواص ہر کوئی اپنے ذوق وظرف کے مطابق فیض یاب ہوا کرتا تھا۔ بلاشبہہ آپ مشاہیر ائمہ اور حفاظ کبار میں سے ایک تھے۔

ذوق عبادت اور شوقِ تہجد گزاری آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ علامہ ابن حجر نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ آپ ابتداءً فتویٰ دینے میں ابن تیمیہ کے افکار کا اتباع کیا کرتے تھے۔ لیکن جب لوگوں نے اس پر نکیر کی تو آپ نے اس روش سے رجوع کرلیا۔ پھر جب یہ بات معتقدین ابن تیمیہ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے بھی آپ پر سختی کی اور قدیم روش پر لوٹ آنے کا پرزور مطالبہ کیا۔ انجام کار آپ نے دونوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے فتویٰ نویسی کا سلسلہ ہی موقوف کردیا۔

۷۷۱ھ میں جب ابن قاضی جبل کا وصال ہوا اور آپ کی فیض گاہ کو کسی ہادی ومرشد کی ضرورت پیش آئی تو لوگوں نے آپ ہی کے سر اس کی ذمہ داری رکھی۔ یوں ہی قاضی بن تقی کی وفات کے بعد کتب حنبلیہ کی تدریس کا فریضہ بھی آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

الغرض! آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کے فضائل ومناقب کو بڑے پرکشش انداز میں بیان کیا ہے، آپ کی ہمہ جہت شخصیت کی دلکش تصویر کشی کی ہے اورآپ کی گوناگوں خوبیوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ خاص بات یہ کہ لکھنے والوں میں مشاہیر واَعلام شامل ہیں، جن میں علامہ ابن عبدالہادی، قاضی علاء الدین بن لحام، علامہ ابن قاضی شہبہ، اورعلامہ ابن حجرعسقلانی وغیرہ کوبطورِخاص پیش کیا جاسکتا ہے۔

وفات: ۴رمضان المبارک یا ٦ رجب المرجب ۷۹۵ھ مطابق ۱۳۹۳ء دمشق میں ارضِ خمیر یہ کے اندراپنے نجی باغیچے میں آپ کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا۔ اگلے دن نمازِ جنازہ اَدا کی گئی، اورشیخ فقیہ زاہدامام ابوالفرج عبدالواحد بن محمد شیرازی، مقدسی، دمشقی (م۴۸٦ھ) کے پہلو میں باب ِصغیر کے پاس آپ کوآسودۂ خاک کیا گیا۔ آپ کی کل مدتِ حیات قریباً ۵۹ سال تین ماہ تھی۔

دنیاسے آپ کی بے رغبتی اورموت کی تیاری کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابن ناصرالدین دمشقی نے لکھا ہے: علامہ ابن رجب حنبلی کے گورکن نے مجھ سے بتایا کہ وصال کے چندروزقبل علامہ میرے پاس آئے اورفرمایا کہ میرے لیے یہاں لحد کھودو اور یہ وہی جگہ تھی جہاں بعدمیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ چنانچہ میں نے ان کے لحد کھوددی۔ جب قبرمکمل ہوگئی تو آپ قبرمیں اُترے اوراس کی تعریف کی۔ پھر چندہی دن گزرنے پائے تھے کہ آپ کا جنازہ اُٹھا۔ جسے دیکھ کر میری حیرانی کی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ میں نے آپ کو اسی قبر میں سپردِخاک کردیا۔

تصانیف: آپ نے مختلف موضوعات پرمتنوع عناوین کے تحت بہت سی مجمل ومفصل تصانیف اپنے پیچھے یادگارچھوڑی ہیں۔ ۳۳ کتب کا تذکرہ اکثر سوانحی خاکوں میں مذکور ہے، جب کہ ۳۷ کتب ورسائل کی نشان دہی زیرترجمہ کتاب میں شیخ یاسین محمد السواس نے کی ہے؛ لیکن وجہ شہرت آپ کی مقبولِ انام کتاب **ذیل علیٰ طبقات الحنابلة** بنی۔

ا: ذیل علی طبقات الحنابلة: دراصل یہ سلسلہ تراجم کی کتاب ہے جس میں مذہب حنبلیہ

کے ائمہ، علماے کرام اور ممتاز شخصیات کا تذکرہ امام احمد بن حنبل کے زمانہ سے لے کر چودہویں صدی عیسوی تک بیان کیا گیا ہے۔ گوکہ اِس سلسلے میں تمام کڑیاں محفوظ نہیں رہ سکیں؛ لیکن مشرق اور مغرب کے مختلف کتب خانوں میں صرف مخطوطے ہی موجود ہیں۔ طبقات الحنابلۃ میں اولاً کام الخلال متوفی (م۳۱۱ھ) کا ہے جو'طبقات الاصحاب' کے نام سے مشہور ہے اور یہ بھی مخطوطہ کی شکل میں ہے اور نابلسی (م۷۹۷ھ) نے اِس کی ایک تلخیص کی تھی جو دمشق سے ۱۳۵۰ھ میں احمد عبید کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ اِس کے بعد علامہ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) کی المنتظم کا نام سامنے آتا ہے۔ الفراء کی طبقات فقہاء اصحاب الامام احمد میں ابن رجب نے ۴۶۰ھ میں فوت ہونے والے اکابر حضرات کے ذکر سے جو الفراء کے اصحاب ہیں، سے اپنی ذیل کا آغاز کیا اور اِس میں ۷۵۱ھ تک کے اکابر مذہب حنبلیہ کے سوانح و حالات لکھے ہیں۔ اِسے ہنری لاووسٹ Henry Laoust نے دمشق سے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا، اِس کی جلد اوّل میں ۴۶۰ھ سے ۵۴۰ھ تک کے احوال و حالاتِ منسوب اکابر مذہب حنبلیہ درج ہیں۔ ابن رجب کی اِس کتاب کو علماے اسلام نے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا؛ حتی کہ احمد بن نصر اللہ البغدادی نے اس کی ایک تلخیص لکھی تھی۔ اصل کتاب کے بہت سے مخطوطے ابھی تک محفوظ ہیں جن میں سے سب سے قدیم مخطوطہ وہ ہے جو ابن رجب کی وفات کے پانچ سال بعد یعنی ۸۰۰ھ میں لکھا گیا تھا اور باقی مخطوطے وہ ہیں جو تقریباً ۳۰ سال بعد لکھے گئے۔ (۱)

۲: شرح جامع ابی عیسیٰ الترمذی: صاحب کشف الظنون اور ہدیۃ العارفین نے اپنی کتب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا محض ایک مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ میں محفوظ ہے۔ ابن عبدالہادی نے اپنی کتاب 'الجوہر المنضد' میں ذکر کیا ہے کہ علامہ ابن رجب کی یہ شرح ترمذی بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

۳: جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم۔ یہ کتاب ۱۳۴۶ھ میں مصر سے شائع ہوئی تھی۔

---

(۱) ویکی پیڈیا اُردو، آزاد دائرۃ المعارف۔

۴: فتح الباری فی شرح البخاری: علامہ ابن رجب کی یہ کتاب نامکمل رہی اور کتاب الجنائز تک ہی لکھی گئی۔

۵: شرح حدیث ما ذئبان جائعان : یہ کتاب المروزی کی قیام اللیل کے ساتھ ۱۳۲۰ھ میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔اور قاہرہ سے ۱۳۴۶ھ میں طبع ہوئی۔

۶: شرح حديث أبي الدرداء 'من سلك طريقا يلتمس فيه علما': مطبوعہ مکہ معظّمہ ۱۳۹۷ھ۔اشرف بن عبدالمقصود کی تحقیق کے ساتھ یہ قاہرہ سے بھی ۱۹۸۷ء میں طبع ہوچکی ہے۔

۷: اختيار الاولى فى شرح حديث اختصام الملأالاعلى : یہ کتاب مکتبہ منیریہ مصر سے شائع ہوئی۔

۸: نور الاقتباس فى مشكوة وصية النبى ﷺ لابن عباس : عزالدین بدوی نجار کی تحقیق کے ساتھ اس کا ایک ناقص نسخہ ۱۹۷۹ء میں جدہ سے طبع ہوا، پھر اس کا ایک کامل نسخہ بیروت سے محمد بن ناصر عجمی کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

۹: الاستخراج لاحكام الخراج : اِس کتاب کا ایک مخطوطہ پیرس میں عدد نمبر ۲۴۵۴ کے تحت محفوظ ہے۔

۱۰: القواعد الفقهية (أو القواعد الكبرىٰ): یہ کتاب قاہرہ مصر سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔ مذہب حنبلی کے اصول پر مصنف کی شاہکار کتاب۔ابن عبدالہادی نے اس کتاب کو عجائباتِ دہر میں سے ایک قرار دیا ہے۔

۱۱: القول المعذاب فى تزويج امهات اولاد الغياب : ابن حمید مکی نے ذکر کیا ہے۔

۱۲: مسئلة الصلوٰة يوم الجمعة بعد الزوال و قبل الصلوٰة : ابن حمید مکی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۳: نزهة الأسماع فى مسئلة السماع : دارالکتب مصریہ میں اس کا ایک مخطوطہ رقم ۲۱۶۱۳ ،اور مکتبہ ریاض ،سعودی میں رقم ۸۶/۶۸۶ کے تحت محفوظ ہے۔

۱۴: وقعة بدر : ابن حمید مکی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۵: اختيار الابرار: اِس کتاب کا ایک مخطوطہ برلن جرمنی میں عدد نمبر ۹۶۹۰ کے تحت محفوظ ہے۔

۱۶: اِستنشاق نسيم الانس من نفخات رياض القدس : نورالاقتباس کے محقق نے اس کا ذکر کیا ہے، نیز اس کے طبع ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔نیز امینہ جابر نے اپنی کتاب 'ابن رجب

الحنبلی و آثارہ الفقہیہ' میں ۱۳۶۳ھ اس کا سن طبع ذکر کیا ہے۔

۱۷: الاستبطان فیما یعتصم بہ العبد من الشیطان : ابن حمید مکی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۸: اھوال یوم القیامۃ: اِس کتاب کے دو مخطوطے موجود ہیں، اوّل برلن جرمنی میں عدد نمبر ۲۶۶۱ کے تحت اور دوسرا اِسکندریہ مصر میں عدد مواعظہ ۶ کے تحت۔

۱۹: البشارۃ العظمیٰ فی ان حظ المومن من النار الحمی: اس کا ایک مخطوطہ ترکی میں رقم ۵۳۱۸، اور جامعۃ الریاض میں رقم ۸۶/۵۲۷ کے تحت محفوظ ہے۔

۲۰: کتاب التوحید : اِس کا مخطوطہ گوٹا پیرس میں عدد نمبر ۲۰۷ کے تحت محفوظ ہے۔

۲۱: الخشوع فی الصلوٰۃ: یہ کتاب مصر میں ۱۳۴۱ھ میں شائع ہوئی تھی۔(اس کا اردو ترجمہ لاہور سے طبع ہو چکا ہے)

۲۲: ذم الخمر وشاربھا : ابن حمید مکی نے اس کا ذکر کیا ہے۔اس کا ایک مخطوطہ ترکی میں رقم ۵۳۱۸ کے تحت محفوظ ہے۔

۲۳: ذم المال و الجاہ: ابن حمید مکی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مطبع منبریہ، مصر ۱۳۸۶ھ۔

۲۴: رسالۃ فی معنی العلم: اِس کا ایک مخطوطہ لائپزگ میں عدد نمبر ۴۶۲ کے تحت محفوظ ہے۔

۲۵: صفۃ النار والتحذیر من دارالبوار: اِس کتاب کا ایک مخطوطہ برلن جرمنی میں عدد نمبر ۲۶۹۷ میں التخویف من النار والتعریف بحال دار البوار کے عنوان کے تحت محفوظ ہے۔

۲۶: الفرق بین النصیحۃ والتعییر : دمشق سے ۱۹۸۴ء میں اور عمان سے ۱۹۸۶ء میں طبع ہوا۔

۲۷: فضائل الشام : مخطوطہ اسکندریہ، برقم ۱۰۸۔

۲۸: فضل علم السلف علی الخلف: قاہرہ سے ۱۳۴۳ھ میں اور بعد ازاں ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوئی۔غالباً اِس کتاب کا دوسرا نام العلم النافع ہے اور ممکن ہے کہ یہ رسالۃ فی معنی العلم ہو۔

۲۹: کشف الکربۃ فی وصف حال الغربۃ : یہ کتاب حدیث بدء الاسلام غریباً کی شرح ہے، اور مصر سے ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوئی۔

۳۰: الکشف والبیان عن حقیقۃ النذور و الأیمان : ابن حمید مکی نے ذکر کیا ہے۔

۳۱: کفایۃ الشام بمن فیھا من الاحلام : ابن حمید مکی نے ذکر کیا ہے۔

۳۲: الکلام علی لا اِله اِلا اللّٰه۔

۳۳: اللطائف فی الوعظ : یہ کتاب قاہرہ مصر سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی۔

عام تراجم میں ۳۳ کتب متفقہ طور پر مذکور ہیں؛ لیکن زیر نظر کتاب کے محقق لبیب' علامہ ابن رجب حنبلی کی کتب ورسائل کی تعداد بڑھا کر ۳۷ تک لے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ جو دیگر کتب ورسائل ہیں ان کی تفصیلات یوں ہیں :

۳۴: أحکام الخواتیم وما یتعلق بھا : اس کا ایک مخطوطہ دار الکتب مصریہ کے اندر نمبر ۲۳۷۹۴ اور برلن لائبریری میں نمبر ۹۶۹۰ کے تحت محفوظ ہے۔ بیروت میں اس کی بارہا اشاعت بھی ہوئی ہے، جس کی جدید طباعت ۱۹۸۷ء میں عبداللہ قاضی کی تحقیق کے ساتھ ہوئی۔

۳۵: إزالة الشنعة عن الصلوٰة بعد النداء یوم الجمعة : ابن عبدالہادی نے الجوہر المنضد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۶: الاستغناء بالقراٰن : ابن رجب نے اس کا ذکر خود اپنی کتاب 'الخشوع فی الصلوٰۃ' میں کیا ہے۔ اور حاجی خلیفہ نے 'کشف الظنون' میں نیز ہدیۃ العارفین میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔

۳۷: إعراب أم الکتاب : مجلد، اس کا ذکر 'ابن عبدالہادی نے جوہر منضد میں کیا ہے۔

۳۸: إعراب البسملة: اس کا ذکر بھی ابن عبدالہادی نے جوہر منضد میں کیا ہے۔

۳۹: الإلمام في فضائل بیت اللّٰه الحرام: صاحب ہدیۃ العارفین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۴۰: الایضاح والبیان في طلاق کلام الغضبان: ابن عبدالہادی نے الجوہر المنضد میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۱: تحریر الفوائد وتقریر القواعد: مرکز البحث العلمی، جامعۃ اُم القریٰ، مکہ معظّمہ میں اس کا ایک مخطوطہ نمبر ۱۸۸۱ کے تحت محفوظ ہے۔

۴۲: أھوال القبور وأحوال أھلھا إلی النشور : اس کا ایک مخطوطہ برلن اور اسکندریہ میں موجود ہے۔ مکہ معظّمہ سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ اور بیروت سے محمد زغلول کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۵۵ء میں اور عبداللطیف سبع کی تحقیق کے ساتھ یہ ۱۹۹۰ء میں طبع ہوا۔

۴۳: تسلیة نفوس النساء والرجال عند فقد الأطفال : ترکی کے اندر اس کا ایک مخطوطہ رقم ۵۳۱۸ کے تحت محفوظ ہے۔

۴۴: تفسير سورة الفاتحة : **مطبوعہ دار سلفیہ، کویت ۱۴۰۷ھ**

۴۵: تفسير سورة الإخلاص : **اس کا ایک مخطوطہ ترکی میں رقم ۵۳۱۸، اور مکتبۃ الریاض سعودیہ میں رقم ۸۶/۵۲۷ کے تحت محفوظ ہے۔**

۴۶: تفسير سورة النصر : **مطبوعہ لاہور۔ و دار البشائر الاسلامیہ، بیروت بتحقیق حسن ضیاء الدین، ۱۹۸۶ء**

۴۷: الحكم الجديرة بالإذاعة من قول النبي: بعثت بالسيف بين يدي الساعة : **مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ، بیروت ۱۹۸۸ء**

۴۸: ذم قسوة القلب : **مخطوطہ ترکی برقم ۵۴۳۔**

۴۹: الرد على من اتبع غير المذاهب الأربعة : **ابن عبد الہادی نے الجوہر المنضد میں اس کا ذکر کیا ہے۔**

۵۰: رسالة في تعليق الطلاق بالولادة: **مخطوطہ ترکی برقم ۵۴۳۔**

۵۱: رسالة في فتوى هلال ذى الحجة: **مخطوطہ سعودیہ برقم ۸۶/۵۲۷۔**

۵۲: رياض الأنس : **صاحب ہدیۃ العارفین نے اسے ذکر کیا ہے۔**

۵۳: سيرة عبدالملك بن عمر بن عبدالعزيز: **مطبوعہ ریاض ۱۳۷۸ھ۔ امینہ جابر نے بھی اپنی کتاب 'ابن رجب حنبلی' میں اس کا اشارہ دیا ہے۔**

۵۴: شرح حديث 'إذا كنز الناس الذهب والفضة' : **اس کا ایک مخطوطہ ترکی میں برقم ۵۳۱۸ اور گوٹا پیرس میں برقم ۶۳۹ محفوظ ہے۔**

۵۵: شرح حديث: إن أغبط أوليائي عندي: **مخطوطہ ترکی برقم ۵۳۱۸۔**

۵۶: شرح حديث زيد بن ثابت في الدعاء 'لبيك اللهم لبيك' **اس کا ایک مخطوطہ ترکی میں برقم ۵۳۱۸، اور دوسرا مکتبۃ الریاض سعودیہ میں برقم ۵۶/۵۲۷ محفوظ ہے۔**

۵۷: شرح حديث عمار بن ياسر 'الله يعلمك الغيب' **اس کا ایک مخطوطہ ترکی میں برقم ۵۳۱۸، اور دوسرا مکتبۃ الریاض سعودیہ میں برقم ۵۶/۵۲۷ محفوظ ہے۔**

۵۸: غاية النفع بشرح حديث تمثيل المومن بخامة الزرع : **محمد ماجد کردی کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۴۸ھ میں مکہ معظّمہ سے شائع ہوئی۔**

۵۹: شرح مولدات ابن الحداد: **امینہ جابر نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔**

۶۰: شرح حديث يتبع الميت ثلاث: **مخطوطہ ترکی برقم ۵۳۱۸۔**

۶۱: شرح المحرر: **ابن عبدالہادی نے اس کا ذکر الجوہر المنضد میں کیا ہے۔**

۶۲: شرح علل الترمذي: **صبحی سامرائی کی تحقیق کے ساتھ بغداد میں طبع ہوئی، اور وہی نسخہ بیروت سے بھی چھپا۔ پھر دار الملاح نے دکتور نور الدین عتر کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں اسے دمشق سے شائع کیا۔**

۶۳: صفة النار وصفة الجنة: **ابن عبدالہادی نے الجوہر المنضد میں اس کا ذکر کیا ہے۔**

۶۴: العلم النافع: **مخطوطہ لیپسیک برقم ۴۶۲۔ شاید یہی رسالہ فضل علم السلف علی الخلف کے نام سے بھی شائع ہوا ہے۔**

۶۵: صدقة السر وبيان فضلها: **مخطوطہ ترکی برقم ۵۳۱۸۔**

۶۶: قاعدة غم هلال ذي الحجة: **ابن عبدالہادی نے الجوہر المنضد میں اس کا ذکر کیا ہے۔**

۶۷: المحجة في سير الدلجة: **مخطوطہ مکتبہ ریاض سعودی برقم ۱۶۳۷۔ یہ کتاب مکہ سے ۱۳۴۷ھ میں اور بیروت میں یحییٰ مختار غزاوی کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۸۴ء، و۱۹۸۶ء میں طبع ہوئی۔**

۶۸: مختصر سيرة عمر بن عبدالعزيز: **نور الاقتباس کے محقق نے وضاحت کی ہے کہ یہ کتاب مرحلہ طباعت سے گزر چکی ہے۔**

۶۹: مختصر فيما روي عن أهل المعرفة والحقائق في معاملة الظالم السارق: **مخطوطہ ترکی برقم ۵۳۱۸۔**

۷۰: منافع الإمام أحمد: **ابن عبدالہادی نے الجوہر المنضد میں اس کا ذکر کیا ہے۔**

۷۱: مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة: **ابن عبدالہادی نے اپنی کتاب 'سیر الحاث الی علم الطلاق الثلاث' میں اس کا ذکر کیا ہے۔**

۷۲: مكفرات الذنوب ودرجات الثواب الخير: **مطبوعہ مکتبۃ التراث قاہرہ ۱۹۸۲ء**

۷۳: لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف: **اس کا ایک قدیم نسخہ قاہرہ مصر سے ۱۹۲۴ء میں چھپا تھا۔ پھر اس کے بعد سے اس کے کئی ایک نسخے متعدد مشہور مطابع سے چھپ کر منظر عام پر آئے۔ جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ دار ابن کثیر، دمشق ۱۴۲۰ھ کا مطبوعہ ہے۔**

کچھ اِس کتاب کے بارے میں

زیر نظر کتاب '**محرم الحرام، اہمیت وجامعیت، معارف ونکات، فضائل ومسائل، وظائف واعمال**' دراصل عالم عامل، عارفِ کامل، شیخ الاسلام علامہ ابن رجب حنبلی کی مایۂ ناز محققانہ کتاب 'لطائف المعارف' کے اوّلین باب کا سلیس و رواں ترجمہ ہے۔ بارہ ماہ کے فضائل، مخصوص ایام کی خصوصیات اور روز وشب کے وظائف واعمال سے متعلق بہت سے علماے اَعلام اور عرفاے حق نے وقیع وجلیل کتب تحریر فرمائی ہیں، ان میں بعض مختصر ہیں، اور بعض قدرے مفصل۔ علامہ کی تفصیلی کتاب 'لطائف المعارف' اسی سلسلۃ الذہب کی ایک زرّیں کڑی ہے۔ اس موضوع کی بیشتر کتابیں چوں کہ اس کے بہت بعد لکھی گئیں؛ اس لیے یہ کتاب ایک مرکزی ماخذ ومرجع کے طور پر ہر زمانے میں اہل علم وکمال کے ہاتھوں ہاتھ رہی۔

'لطائف المعارف' اسم با مسمّٰی کتاب ہے۔ علامہ موصوف نے اس میں علم وعرفان کے ایسے اَسرار ونکات سے پردہ اُٹھایا ہے جس کی طرف عموماً توجہ نہیں ہوتی۔ گویا پوری کتاب علوم ومعارف کا ایک بحرِ زخار ہے۔ ساتھ ہی علامہ نے انداز اتنا دلچسپ رکھا ہے کہ پڑھنے کے بعد ممکن ہی نہیں کہ بندے کے اندر تقرب اِلی اللہ اور طاعت وبندگی کی للک نہ پیدا ہو، اور وہ حیاتِ مستعار کے لمحے لمحے کی قیمت وصول کرنے پر آمادہ وسرگرم نہ ہو جائے۔

اللہ کے فضل وکرم سے کتاب کے نصف سے زیادہ حصے کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے، بقیہ حصوں پر بھی حسب فرصت وتوفیق گاہے بگاہے کام جاری ہے۔ اس بیچ ایک روز خیال آیا کہ پورے ترجمہ کی یک بارگی تصحیح کرانے سے بہتر ہے کہ جستہ جستہ اسے مرحلہ تصحیح وتصویب سے گزارا جائے۔ چنانچہ جب کتاب کے ایک معتد بہ حصے کا ترجمہ ہوگیا تو اپنی دیرینہ روایت کے مطابق اسے لے کر بغرضِ تصحیح حضرت علامہ مفتی محمد عبدالمبین نعمانی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی بارگاہ میں پہنچا۔ آپ نے کتاب دیکھنے کے بعد اُس کی تحسین واقعی

فرمائی اور اسے اپنے موضوع پر ایک محققانہ، عارفانہ، حکیمانہ اور بے مثل کتاب قرار دیا۔

چند ماہ بعد جب افریقہ سے لوٹا اور تصحیح شدہ حصہ لینے کے لیے حضرت کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ مولانا! کتاب واقعی دلچسپ اور معلومات آفریں ہے؛ مگر اس کی ضخامت بہت زیادہ ہے۔ ایک ایک مہینے کا تذکرہ سوسو صفحات سے متجاوز ہے، اور نہ معلوم کب تک پورا ترجمہ مکمل ہوگا؛ اس لیے میری تو رائے یہ ہے کہ اِسلامی نیا سال شروع ہونے والا ہے، تو اس کے پہلے باب 'محرم الحرام کے وظائف واَعمال' کو الگ سے کتابی شکل میں شائع کرکے اس سے استفادہ عام کردیا جائے، نیز اس سے لوگوں کو کچھ اندازہ بھی ہوجائے گا کہ 'لطائف المعارف' اپنے اندر واقعی کیا کچھ اَسرار و معارف اور لطائف و کمالات رکھتی ہے۔

حضرت کا مشورہ قیمتی اور برمحل تھا؛ اس لیے تعمیل حکم میں کسی تاخیر کو روا رکھے بغیر 'محرم الحرام' والے حصے کو مرحلہ طباعت سے گزارنے کے لائق بنادیا گیا۔ عموماً محرم سے متعلق کتابوں میں واقعہ کربلا کو خصوصیت کے ساتھ جگہ دی جاتی ہے؛ مگر مصنف علام نے شاید اس کی شہرت کی بنیاد پر یا اس موضوع پر مستقل کتابیں ہونے کے باعث اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ساتھ ہی محرم الحرام کے تعلق سے کتاب میں جن حقائق و معارف سے علامہ نے پردہ اُٹھایا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے، ایسی نکتہ رسی، لطائف بیانی، اور معارف آفرینی ہر کسی کا مقسوم نہیں ہوتی۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ محرم کے تعلق سے یہ کتاب علم وعرفان کے بہت سے نئے اَبواب وا کرے گی، اور قارئین کے لیے اس میں دلچسپی کا بہت کچھ سامان ہوگا۔

اِسلامی تقویم کا پہلا مہینہ، محرم الحرام

محرم، اِسلامی تقویم (Islamic Calendar) کا پہلا مہینہ ہے، جسے رب کریم نے خصوصی حرمت و عظمت اور تقدس واِحترام عطا کیا ہے۔ شب و روز کا مجموعہ وقت کہلاتا ہے، انھیں مختلف اوقات سے مل کر دن جنم لیتے ہیں، اور انھیں دنوں کی مختلف تعداد کو تقویم اور کیلنڈر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اِسلامی تقویم جن بارہ مہینوں پر مشتمل ہے اُن کی

تخلیق اور تعداد توقیفی اور من جانب اللہ ہے۔

اِسلامی تقویم کا نقطہ آغاز ہجرتِ نبوی ہے۔ ہجرت' دراصل اسلامی تاریخ کا ایک اہم موڑ ہے، بلکہ حق و باطل کی کشمکش اور اِسلامی انقلاب کی جدوجہد میں ہجرت کو ایک مقام حاصل ہے۔ ہجرت ایک عبادت، اَنبیا کی سنت، دعوت دین کا ایک مرحلہ، حکمت دین کا ایک گوشہ، اورتحریکی پالیسی کا ایک حساس دفعہ ہے۔ شاید اسی وجہ سے خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی دوراندیشی، فراست اور حکیمانہ سیاست نیز باب العلم حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مشاورت سے ہجرت نبوی کو اِسلامی تقویم کے لیے بنیاد قرار دیا۔

اِسلامی تقویم کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ اَدنیٰ غور و تامل سے بعض چیزیں جو پردۂ خیال پر ابھرتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تقویم اِسلامی کا پہلا اور آخری مہینہ حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ یعنی محرم الحرام اور ذوالحجہ۔ جس میں ایک لطیف اشارہ یہ دیا گیا کہ تمام بارہ مہینوں کا اِحترام، قدر اور لحاظ رکھا جائے، تاکہ 'زندگی پابندگی تابندگی' کی آئینہ دار بن جائے، 'زندگی بے بندگی شرمندگی' کا عبرت انگیز نمونہ بن کر نہ رہ جائے!۔

دوسرے یہ کہ اسلامی کیلنڈر انسان کے اندر احتساب ذات کی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان گزرے دنوں سے سبق لیتے ہوئے اپنی آخرت کے قریب ہوتا ہے، تو یہی چیز ہمیشہ انسان کو محاسبہ کے لئے تیار رکھتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اسلامی تقویم کا آغاز و اِختتام دونوں قربانی کی عظیم تاریخ سے عبارت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرتِ مبارکہ جو تقویم اسلامی کا نقطہ آغاز ہے، یہ بھی اوّل تا آخر قربانی ہی قربانی سے لبریز ہے۔ علاوہ بریں صحابہ کرام نے اپنی جانی و مالی ہر طرح کی قربانیوں کا نذرانہ پیش کر کے روئے زمین پر ایک لاثانی مثال قائم کردی؛ اس لئے جب بھی ہم ایک نئے سال کا آغاز کرتے ہیں تو ہمیں ان قربانیوں کا اِعتراف کرتے ہوئے اپنے عزم و ایمان کی تجدید کرنی ہوگی۔ سال نو کے آغاز میں ماہ محرم میں عاشورہ کے روزے کی حکمت بھی یہی ہے کہ ہمیں حضرت موسیٰ کی بنی اسرائیل کی نجات کے لئے ہر طرح کی

قربانی کا پورا اِعتراف ہے؛ اس لئے حضرت موسیٰ نے بطور شکر الٰہی روزہ رکھا۔

۱۴۴۰ھ کی آمد آمد ہے۔ اِس موقع پر آیئے ہم اپنے اندر کچھ تبدیلی لانے کا ایک چھوٹا سا عہد کرتے ہیں کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے اوپر لازم کرلے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس اسلامی تاریخ کا کثرت سے اِستعمال کرے گا؛ کیوں کہ اس سے ہماری تاریخ، ثقافت اور تہذیب وابستہ ہے۔

عصر حاضر کی نئی نسل کو اِسلامی تقویم، اس کا تاریخی پس منظر، بارہ مہینوں کے نام اور اس کی خصوصیت سے واقف کرایا جائے، تاکہ انہیں اپنے اسلاف واکابر کی چھوڑی ہوئی میراث کی صحیح قدر معلوم ہو۔

اسلامی تقویم سے متعلق ہر طرح کی اِحتسابی کیفیت کو ہمہ وقت ذہن وفکر میں بسائے رکھا جائے، تاکہ ہر گزرتا ہوا دن آخرت کی جواب دہی کی یاد تازہ کرتا رہے۔

ہر سال نو کی آمد پر اُمت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس نئے سال کے لیے اپنا لائحہ عمل تیار کرے اور وقت کو منصوبہ بند طریقے سے استعمال کرے۔ خدا کرے کہ یہ سالِ نو اُمت مسلمہ کے لیے عظمت رفتہ کی بحالی، اور عزت و غلبے کا سال بنے۔ اور ہر طرح کی امن و سلامتی اس کو حاصل ہو۔

اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہماری دنیا وآخرت کو بہترین کردے۔ اور ایسے اعمال کی انجام دہی کی توفیق ہمارے رفیق حال کرے جس سے اس کی اور اس کے پیارے محبوب کی رضا وخوشنودی حاصل ہوجائے۔ نیز یہ کتاب مصنف، مترجم اور ناشر سب کے لیے توشہ آخرت بنے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم

عاصی وخاطی: **محمد افروز قادری چریاکوٹی**

جمعہ، ۵/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ......۱۷/اگست ۲۰۱۸ء

محرم الحرام کے وظائف واَعمال

یہ چند مجالس پر مشتمل ہے۔

پہلی مجلس

فضائل ماہِ محرم اور اُس کے عشرۂ اولیٰ کی اہمیت کے بیان میں

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أفضل الصيام بعد شهر رمضان شهر الله الذى تدعونه المحرم و أفضل الصلاة بعد الفريضة قيام الليل .(١)

یعنی ماہِ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ ’محرم‘ کے ہیں۔ اور فرض نمازوں کے بعد زیادہ فضیلت والی نمازیں وہ ہیں جو رات کی تنہائیوں میں اَدا کی جائیں۔

---

(١) سنن ابوداؤد: ١/٣٨٧ حدیث: ٢٤٢٩...... سنن ترمذی: ٢/٣٠١ حدیث: ٤٣٨ ...... سنن دارمی: ٢/٣٥ حدیث: ١٧٥٧...... سنن نسائی: ٣/٢٠٦ حدیث: ١٦١٣...... شعب الایمان: ٣/٣٥٩ حدیث: ٣٧٧٢...... صحیح ابن خزیمہ: ٣/٢٨٢ حدیث: ٢٠٧٦...... مستدرک حاکم: ١/٤٥١ حدیث: ١١٥٥۔

اس بحث کو ہم دو فصلوں میں بیان کریں گے: پہلی فصل افضل ترین نفلی روزوں کے بیان میں ہوگی۔ اور دوسری فصل افضل ترین نفلی نمازوں کے بارے میں۔

پہلی فصل: نفلی روزوں کی فضیلت کا بیان

مذکورہ حدیث اس سلسلہ میں بالکل صریح ہے کہ رمضان کے بعد جس مہینے میں نفلی روزے رکھنا افضل ہے وہ اللہ کا مہینہ محرم ہے۔ اس سے یہ مراد بھی ہوسکتا ہے کہ رمضان کے بعد مکمل طور پر روزہ رکھنے کا افضل مہینہ ماہِ محرم ہے۔ ہاں کچھ روزے ایسے ہیں جو کسی مہینے میں کچھ دن رکھے جاتے ہیں تو وہ دوسرے دنوں کی بہ نسبت زیادہ فضیلت رکھتے ہیں جیسے یوم عرفہ کا روزہ، یا عشرۂ ذی الحجہ کے نو روزے، یا شوال کے چھ روزے وغیرہ۔

اس کا اِستشہاد اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے جس کی تخریج امام ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے کی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوا: یارسول اللہ! مجھے رمضان کے بعد کسی ایسے مہینے کی نشان دہی فرمائیں جس میں میں روزے رکھ سکوں؟۔

فرمایا: اگر تم رمضان کے بعد کسی مہینے کا پورا روزہ رکھنا چاہتے ہو تو ماہِ محرم کے روزے رکھو؛ کیوں کہ وہ اللہ کا (خصوصی) مہینہ ہے، اور اس میں ایک ایسا دن وہ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی بھی توبہ قبول کرتا ہے۔-سند حدیث میں کلام ہے-(۱)

شبہہ: مذکورہ حدیث سے ایک شبہہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ شعبان کا روزہ کثرت سے رکھا کرتے تھے؛ مگر آپ کے حوالے سے یہ کبھی نہیں آیا کہ محرم کے مہینے کا روزہ رکھا ہو۔ ہاں! یوم عاشورہ کا روزہ آپ سے ثابت ہے اور پھر حیاتِ مبارکہ کے

---

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۲۹۰/۸ حدیث: ۳۶۱۶ ...... مسند احمد بن حنبل: ۳۵۴/۳ حدیث: ۱۳۴۸ ...... مصنف ابی شیبہ: ۳۰۰/۲ حدیث: ۹۲۲۳ ...... مسند ابویعلی موصلی: ۳۳۷/۱ حدیث: ۴۲۷۔

آخری سال میں آپ کے اس فرمان کہ ’اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا‘ (۱) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آپ نے نویں محرم کا بھی روزہ نہیں رکھا تھا۔

جواب: اس اشکال کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں جن میں کچھ تو کافی کمزور ہیں مگر جو مجھے سمجھ میں آرہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفلی روزوں کی دو قسمیں ہیں :

پہلی قسم ہے مطلق نفلی روزے۔ اس اعتبار سے محرم کے روزے افضل ہیں جیسا کہ مطلق نفلی نماز کو دیکھا جائے تو تہجد کی نماز افضل ہے۔

اور دوسری قسم ایسے روزوں کی ہے جو رمضان کے روزوں کے تابع ہیں خواہ اس سے قبل ہوں یا بعد، تو یہ قسم مطلق نفلی نہیں ہے بلکہ یہ روزے ایسے ہیں جو رمضان کے روزوں کے تابع ہیں اور روزوں کو رمضان کے روزوں کے ساتھ ہی ملا دیا جاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ شوال کے چھ روزے چوں کہ اسے رمضان سے ملا دیتے ہیں اس لیے رمضان کے ساتھ شش عید کے روزے رکھنے والے کو پورے سال روزے رکھنے کا اجر عطا کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

روایتوں میں آتا ہے کہ (اِبتدا میں) حضرت اُسامہ بن زید اشہرِ حُرم (یعنی محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ چاروں مقدس مہینوں) کا روزہ رکھا کرتے تھے، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں شوال کے روزوں کی بابت بتایا تو انھوں نے اشہرحرم کے روزے ترک کر دیے اور صرف شش عید کے روزوں پر اکتفا کرلیا۔ (۲) اس کا تفصیلی بیان اپنی جگہ پر آئے گا - ان شاء اللہ -

تو روزے کی یہ قسم رمضان سے متصل ہے، اور یہ روزے مطلق طور پر اصل روزے کہلائیں گے (کیوں کہ یہ فرضوں سے ملحق ہیں) رہی بات مطلق نفلی روزوں کی تو ان روزوں

---

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۳۴...... سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۷۳۶...... مسند احمد: ۱/۲۲۴۔

(۲) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۷۴۴۔

میں افضل ترین روزے حرمت کے مہینوں کے روزے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ایک صحابی کو حرمت والے مہینوں کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا تھا۔اس کو ہم دوسرے موقع پر تفصیل سے بیان کریں گے- ان شاء اللہ-

اب ان اَشہر حرم کے روزوں میں افضل روزہ ماہِ محرم کا ہے۔اوراس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حدیث میں فرمایا :

و أفضل الصلاة بعد المكتوبة قيام الليل . (۱)

یعنی فرض نمازروں کے بعد افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے۔

اس حدیث میں 'بعد المکتوبۃ' سے مراد فرض نماز اوراس کے ساتھ ملحق سنتیں ہیں؛ کیوں کہ فرائض سے قبل اور بعد سنت ہائے موکدہ ہوتی ہیں جو جمہور علما کے نزدیک قیام اللیل سے بھی زیادہ فضیلت رکھتی ہیں؛ کیوں کہ یہ فرضوں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ گو بعض شوافع نے اِس میں اختلاف کیا ہے۔اسی طرح رمضان سے قبل اوراس کے بعد کے روزے چوں کہ ماہِ رمضان کے ساتھ ایک نسبت رکھتے ہیں اس لیے ان کا رکھنا اشہر حرم میں روزہ رکھنے سے افضل ہوگا، اور باعتبار مطلق نفلی روزہ' افضل ماہِ محرم کا روزہ ہے۔

اَشہر حُرُم میں افضل مہینہ کون؟: اہل علم کی اس بارے میں مختلف آرا ہیں کہ حرمت کے مہینوں میں کون سا مہینہ زیادہ فضیلت وعظمت رکھتا ہے۔حضرت حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان چاروں میں افضل مہینہ اللہ کا مہینہ' ماہِ محرم الحرام ہے، اور متاخرین نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے۔

وہب بن جریرؒ کرہ بن خالد سے وہ حسن سے مرفوعاً و مرسلا روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سال کا آغاز بھی حرمت والے مہینے سے کیا اوراس کا اختتام بھی حرمت والے مہینے سے کیا؛ سو ماہِ رمضان کے بعد پورے سال میں اللہ کے نزدیک محرم سے زیادہ پر عظمت بھلا

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث:۱۱۶۳......سنن ابوداوٗد، رقم الحدیث:۲۴۲۹......سنن ترمذی، رقم:۴۳۸۔

کون مہینہ ہوسکتا ہے!۔اور غایت درجہ حرمت وعظمت کے باعث اس کا نام شہراللہ الاصم (اللہ کا بہرہ مہینہ) رکھا گیا ہے۔☆

حضرت حسن ہی سے مرفوعاً ومرسلاً مروی ہے کہ آدم بن ابوایاز نے کہا کہ ہم سے ابو ہلال راسبی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أفضل الصلاة بعد المكتوبة في جوف الليل الأوسط و أفضل الشهور بعد شهر رمضان المحرم و هو شهر اللّٰه الأصم .(١)

یعنی فرض نمازوں کے بعد افضل نماز درمیان شب میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔اور ماہِ رمضان کے بعد افضل مہینہ محرم کا مہینہ ہے، جسے اللہ کا بہرہ مہینہ کہا جاتا ہے۔

امام نسائی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین رات کون سی ہے اور افضل مہینہ کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا :

خیر اللیل جوفه و أفضل الشهر شهر اللّٰه الذی تدعونه المحرم .(٢)

یعنی رات کا بہتر حصہ اس کا درمیانی حصہ ہوتا ہے اور افضل مہینہ اللہ کا وہ مہینہ ہے جسے تم محرم کہتے ہو۔

☆ اَصم کے معنی گونگا بھی ہے اس وجہ سے کہ اس ماہ محرم میں جہاد منع ہے،تلواروں کی جھنکاریں سنائی نہیں دیتیں۔ دوسرا معنی ہے اصل۔یعنی یہ سارے مہینوں کی اصل ہے کہ سال یہاں سے ہی شروع ہوتا ہے۔مزید وجہیں بھی تلاش کے بعد مل سکتی ہیں۔ -نعمانی قادری-

(١) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی، ہاں! اس مفہوم کی ایک دوسری حدیث بہت سی کتب میں مروی ہے: **عن أبی هريرة رضِی اللّٰه تعالیٰ عنه، عن رسولِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیهِ وسلم قال: أفضل الصلاةِ بعد المكتوبة صلاة الليلِ، وأفضل الصيامِ بعد شهرِ رمضان شهر اللّٰهِ المحرم.** (مسند اسحق بن راہویہ،رقم:۲۷۷......صحیح ابن خزیمہ،رقم الحدیث:۲۰۷۶) -چریاکوٹی-

(٢) سنن کبریٰ نسائی:۲۲۳/۴ حدیث:۴۲۰۲۔

اس حدیث میں افضل الاشہر کا اطلاق رمضان کے علاوہ دیگر مہینوں کی نسبت سے ہوا ہے جیسا کہ حضرت حسن کی مذکورہ بالا مرسل روایت سے پتا چلتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر وغیرہ نے فرمایا کہ اشہر حرم میں افضل مہینہ ذی قعدہ یا ذی الحجہ کا ہے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذی الحجہ ہی مطلقاً افضل مہینہ ہے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

جب کہ کچھ شوافع کا خیال یہ ہے کہ اشہر حرم میں افضل مہینہ ماہِ رجب ہے، مگر اس قول کی کوئی حقیقت نہیں۔

جہاں تک محرم کے مہینے کی بات ہے تو فضیلت اس کے پہلے عشرے میں ہے۔ بقول یمان بن رئاب، یہی وہ عشرہ ہے جس کی اللہ نے اپنی کتاب میں قسم اُٹھائی ہے؛ لیکن اس حوالے سے صحیح تر قول یہ ہے کہ اس سے ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔ اس کی تفصیل بھی اپنے مقام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

حضرت ابو عثمان نہدی (م ۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ اہل عرب تین عشروں کی تعظیم کرتے آئے ہیں: پہلا رمضان کا آخری عشرہ، دوسرا ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور تیسرا محرم الحرام کا پہلا عشرہ۔ اسے ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب 'فضائل العشر' میں بھی بیان کیا ہے۔ ابو عثمان نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اِن (مذکورہ) تین عشروں کی (بطورِ خاص) قدر و تعظیم کیا کرتے تھے؛ مگر یہ روایت (نقد و جرح سے) محفوظ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عشرہ (دس راتیں) جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی میقات کی تیس راتوں کی مدت کو بڑھا کر چالیس راتیں کر دی تھیں وہ یہی عشرۂ محرم تھا اور اسی میں حضرت موسیٰ کو شرفِ کلیم اللّٰہی بخشا گیا۔

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی

فرمائی کہ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ وہ محرم کے پہلے عشرے میں میرا قرب حاصل کریں، پھر جب دسواں دن ہو تو میری طرف خصوصی رجوع لائیں تا کہ میں انھیں بخش دوں۔

اَوّل وآخر کی عبادت' درمیانی حصہ بھی عبادت بنا دیتی ہے: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فجر میں جو 'فجر' کی قسم فرمائی ہے اس سے مراد محرم کے پہلے دن کی فجر ہے، جس سے پورا سال نکلتا ہے۔تو جب اَشہرِحرم رمضان کے بعد یا مطلق طور پر سارے مہینوں سے افضل قرار پائے، اور ان تمام مہینوں کے روزے اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں جیسا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اب ان میں سے ایک مہینہ سال کا آخری مہینہ ہے اور ایک ان میں سے سال کا ابتدائی مہینہ ہے؛ لہٰذا جو شخص ذی الحجہ کے مہینے میں روزے رکھے سوائے ایام تشریق کے (جن میں روزے سے منع کیا گیا ہے) یوں ہی ماہ محرم کے بھی روزے رکھے تو اس طرح اس کے سال کا آغاز واختتام دونوں نیکی وفرماں برداری پر ہورہا ہے، تو اُمید رکھی جاتی ہے کہ اس کا پورا سال عبادت میں لکھا جائے گا؛ کیوں کہ جس کا اوّل اور آخر عمل نیکی وفرماں برداری پر مبنی ہو تو وہ حکماً اس شخص کی طرح ہے جو دو عملوں کے درمیانی اَوقات کو فرماں برداری میں گزار رہا ہو۔

حدیث مرفوع میں وارد ہوا ہے:

ما من حافظين يرفعان إلى الله صحيفة فيرى في أولها و في آخرها خيرا إلا قال الله لملائكته أشهدكم أني غفرت لعبدي ما بين طرَفيها . (۱)

یعنی جب کبھی بھی دو محافظ فرشتے (اعمال کا) صحیفہ لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، اور اس کے اول وآخر میں خیر ہوتی ہے تو اللہ رب العزت اپنے فرشتوں سے کہتا ہے: میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ اس صحیفے کے درمیان جو کچھ بھی ہے میں نے اسے اپنے بندے کی خاطر معاف کر دیا۔

---

(۱) شعب الایمان بیہقی: ۱۵/ ۸۸ حدیث: ۹۱ ۶۷ ۹ ...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱۱/ ۸۸ حدیث: ۱۷۵۸۰ ......الدعا طبرانی: ۱/۲۹۴ حدیث: ۲۵۹ ......روضۃ المحدثین: ۹/۴۸۸ حدیث: ۴۴۱۳۔

اس حدیث کی طبرانی وغیرہ نے تخریج کی، اورکتاب الترمذی کے بعض نسخوں میں بھی موجود ہے۔ نیز ایک دوسری مرفوع حدیث یوں بھی آئی ہے :

ابن آدم اذکرنی من أول النهار ساعة و من آخر النهار ساعة أغفر لک ما بين ذلک إلا الکبائر أو تتوب منها . (۱)

یعنی اولادِ آدم! دن کے شروع اوراخیر میں تھوڑی دیر مجھے یادکرلیا کرو، کبائر کے علاوہ جوبھی گناہ تم نے اس بیچ کیے ہوں گے معاف کردوں گا، یا (بصدق دل) ان سے توبہ کرلو (تووہ گناہِ کبیرہ بھی مٹادوں گا)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا :

من ختم نهاره بذکر کتب نهاره کله ذکرا .

یعنی جس کے دن کا اِختتام ذکرالٰہی پر ہوا تو اس کا پورا دن ذکر ہی میں شمار کیا جائے گا۔

ان اقوال واحادیث سے اِشارہ اس امر کی طرف ہے کہ 'اعمال کا اعتبار خاتمے پر ہوتا ہے'؛ لہٰذا جب آغاز وانجام دونوں ذکر کے ساتھ ہوتو صاف ظاہر ہے کہ ذکر کا حکم تمام وقت کوشامل ومحیط ہوگا۔اس سے یہ بات بھی متعین ہوگئی کہ اگرسال کی شروعات سچی توبہ کے ساتھ ہوتو اس توبہ کی وجہ سے گزشتہ ایام کے گناہ بھی معاف ہوجائیں گے۔

قطعت شهور العام لهوا و غفلة — ولم تحترم فيما أتيت المحرما

فــلا رجـبا وافـيت فيه بحقـه — ولاصمت شهرالصوم صوما متمما

ولافی ليالی عشر ذی الحجة الذی — مضی کنت قواما و لا کنت محرما

فهل لک أن تمحوالذنوب بعبرة — و تبکی عليهـا حسرة و تندما

و تستقبل العام الجديد بتوبة — لعلک أن تمحو بها ما تقدما

---

(۱) جامع العلوم والحکم:۱۹/۴۲......شرح ابن بطال میں بھی یہ حدیث دومقام پر الفاظ کے ذرا سے اختلاف کے ساتھ وارد ہوئی ہے:۱۹/۱۲۱......۱۹/۱۲۷۔ -چریاکوٹی-

یعنی سال کے سارے مہینے تو نے کھیل کود اور غفلت کی نذر کر دیے۔ حتیٰ کہ تو نے حرمت والے مہینوں کا بھی کوئی احترام نہیں کیا۔ یوں ہی مقدس مہینہ رجب کا بھی تو نے کوئی حق اَدا نہ کیا۔ اور نہ ہی تو ماہِ رمضان کے روزوں کا کوئی خاص اہتمام کر سکا۔ اور نہ ہی عشرۂ ذی الحجہ میں شب بیداری کرنے اور اس کو طاعت وعبادت سے آباد کرنے والا تو بنا اور نہ ہی تو نے احرام باندھا۔ تو اب اگر تم چاہتے ہو کہ ان سارے گناہوں کو مٹا دیا جائے تو حسرت وندامت کے آنسو لے کر آؤ۔ نیز آنے والے نئے سال کا آغاز توبہ کے ساتھ کرو، شاید اس کی برکت سے گزشتہ سارے گناہ بخشش دیے جائیں۔

محرمؔ اللہ کا مہینہ کیسے؟: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ محرم کو ’اللہ کا مہینہ‘ قرار دیا ہے، تو خاص اللہ کی طرف اس مہینے کی اضافت اس کے فضل وشرف کا پتا دیتی ہے؛ کیوں کہ اللہ کی طرف اِضافت خاص الخاص چیزوں ہی کی کی جاتی ہے، جیسا کہ (حضرات انبیاے کرام میں سے) محمد، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کی اِضافت اللہ کی عبودیت یعنی اس کے بندے ہونے کے ساتھ ہے (حالاں کہ سارے ہی انبیا عباد اللہ ہیں) یوں ہی اس نے اپنے گھر (خانۂ کعبہ) اور (حضرت صالح کی) اونٹنی کا انتساب اپنی طرف فرمایا ہے۔

تو جب یہ مہینہ اللہ کی طرف نسبت ہو جانے کی وجہ سے خاص کر دیا گیا اور روزہ کی نسبت سارے اعمال میں سے اللہ کی طرف کی گئی ہے تو مناسب یہ ہے کہ اس مہینے کو بھی اس خاص عمل روزے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے۔

نیز اللہ کی طرف اس مہینہ کے منسوب کرنے کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس ماہ کی حرمت اللہ کی طرف ہے کسی دوسرے کو اختیار نہیں ہے کہ اس کی حرمت کو بدل ڈالے جیسا کہ دورِ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا کہ وہ جب چاہتے ماہِ محرم کو اپنے لیے حلال کر لیتے اور اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے،

تو اللہ کا مہینہ کہہ کر گویا اس اَمر کی طرف اِشارہ کر دیا گیا کہ اس میں کسی کو تبدیل وترمیم کا حق حاصل نہیں ہے۔

شهر الحرام مبارك ميمون　　　والصوم فيه مضاعف مسنون

و ثواب صائمه لوجه إلهه　　　في الخلد عند مليكه مخزون

یعنی (محرم الحرام کا) حرمت والا مہینہ اپنے اندر بہت سی برکت وسعادت رکھتا ہے۔جس کے اندر روزہ رکھنا حد درجہ ثواب کا باعث ہے نیز مسنون بھی۔

جو شخص محض رضاے مولا کے لیے اس کا روزہ رکھتا ہے تو اس کا ثواب مالک جنت کے پاس بہشت میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔

فضائل صیام: روزہ' بندے اور پروردگار کے درمیان ایک راز ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے (حدیث قدسی میں) فرمایا ہے :

كل عمل ابن آدم له إلا الصوم فإنه لي و أنا أجزي به إنه ترك شهواته و طعامه و شرابه من أجلي . (۱)

یعنی بنی آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہوتا ہے بجز روزہ کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں (بطورِ خاص) اُس کی جزا دوں گا؛ کیوں کہ اس نے اپنی خواہشات اور کھانا پینا محض میری وجہ سے ترک کیا تھا۔

جنت کے اندر ایک دروازہ ہے جس کا نام 'ریان' ہے جو صرف روزہ داروں کے داخلے کے لیے بنایا گیا ہے جیسے ہی یہ اس میں داخل ہوں گے فوراً اسے بند کر دیا جائے گا اور پھر ان کے علاوہ کوئی اور اس سے داخل نہ ہو سکے گا۔ نیز روزہ بندے کے لیے جہنم سے ڈھال ہے جیسے جنگوں میں تم میں سے کسی ایک کی ڈھال ہوتی ہے۔

مسند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

---

(۱) اس حدیث کو شیخین نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، دیکھیے : جامع الاصول: ۹/۴۵۰۔

من صام یوما ابتغاء وجه الله تعالی بعده الله من نار جهنم کبعد غراب طار و هو فرخ حتی مات هرما .(۱)

یعنی جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے اتنی دور کردے گا جیسے کہ ایک کوے کا بچہ اُڑنا شروع کرے اور اتنی دور تک اُڑے کہ اُڑتے اڑتے بوڑھا ہوکر مرجائے۔

اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوامامہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ نصیحت چاہی تو آپ نے فرمایا :

علیک بالصوم فإنه لا عِدْل له .(۲)

یعنی روزے کو اپنے اوپر لازم کرلو؛ کیوں کہ اس کا کوئی بدل نہیں۔

تو حضرت ابوامامہ اوران کے اہل خانہ (اس کے بعد پھر) ہمیشہ روزے سے رہا کرتے تھے۔اور جب کبھی دن کے وقت اُن کے گھر سے دھواں اُٹھتا دکھائی دیتا تو سمجھ لیا جاتا کہ آج ان کے ہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہے۔

ان دائمی روزہ رکھنے والوں میں جماعت صحابہ سے حضرات عمر، ابوطلحہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سرفہرست ہیں۔ یوں ہی بہت سے سلف صالحین کا بھی ہمیشہ روزہ رکھنے کا معمول رہا ہے۔ نیز حضرات ابن عمر اور حسن بصری وغیرہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے حرمت کے تمام مہینوں کو روزوں سے آباد رکھا۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ روزے میں ہوتا کیا ہے کہ انسان صبح اور شام میں کھاتا ہے، لہٰذا اگر آپ بھی (ان خوش نصیبوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو) اپنے دوپہر کے کھانے

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱۲۶/۲۳ حدیث: ۱۱۰۹۵...... معجم کبیر طبرانی: ۱۶۰/۶ حدیث: ۶۲۴۱...... شعب الایمان بیہقی: ۱۰۲/۸ حدیث: ۳۴۳۸...... مسند ابویعلی موصلی: ۴۰۵/۲ حدیث: ۸۸۴...... جمع الجوامع: ۲۳۲۷/۱ حدیث: ۵۳۸۶...... کنز العمال: ۵۵۸/۸ حدیث: ۲۴۱۵۵۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۲۴۹/۵۔

کوشام تک مؤخر کردیں آپ کا شمار بھی روزہ داروں کے ساتھ ہوگا۔

روزہ دار کے لیے دوخوشیاں ہوتی ہیں: ایک تو افطار کے وقت (یا عید الفطر کے موقع پر) اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت، جب وہ اپنے روزے کا ثواب ذخیرہ کیا ہوا پائے گا۔(۱)

ایک بزرگ نے کسی ندا دینے والے کو ماہِ رمضان میں سحری کے وقت یہ آواز دیتے ہوئے سنا: 'کتنی بہترین ہیں وہ چیزیں جن کو ہم نے کثرت سے روزہ رکھنے والوں کے لیے رکھ چھوڑا ہے؛ لہٰذا اُٹھو اور کثرت سے روزے رکھو'۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ روزہ داروں کی تواضع کے لیے عرش کے نیچے ایک دسترخوان بچھایا جائے گا جس سے وہ کھا پی رہے ہوں گے۔ جب کہ دوسرے لوگ ابھی حساب کتاب کے جھمیلوں میں الجھے ہوں گے۔ انھیں کھاتا پیتا دیکھ کر لوگ کہیں گے، یہ کیا کہ یہ لوگ کھا پی رہے ہیں اور ہم سے حساب لیا جارہا ہے؟۔تو ان سے کہا جائے گا: جب دنیا میں تم کھانے پینے کے مزے لوٹتے تھے تو یہ لوگ اس وقت روزے سے رہا کرتے تھے۔

یہ روایت بھی آتی ہے کہ روزہ داروں کو جنت کے پھلوں کا حاکم بنادیا جائے گا جب کہ دیگر لوگ ابھی حساب وکتاب ہی میں مشغول ہوں گے۔اسے ابن ابی الدنیا نے 'کتاب الجوع' میں بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَ الصَّائِمِيْنَ وَ الصَّائِمَاتِ وَ الحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَ الْحَافِظَاتِ وَ الذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَ الذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ٥ (سورۂ احزاب:۳۳/۳۵)

اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے

(۱) صحیح مسلم، رقم حدیث:۱۱۵۱-۱۶۱۔

مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے اِن سب کے لیے بخشش اور عظیم اَجر تیار فرما رکھا ہے۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے :

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِى الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ . (سورۃ الحاقہ: ۶۹/۲۴)

(ان سے کہا جائے گا:) خوب لطف اندوزی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم گزشتہ (زندگی کے) ایام میں آگے بھیج چکے تھے۔

حضرت مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ یہ آیات بکثرت روزے رکھنے والوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنا کھانا پینا اور شہوتیں اللہ واسطے چھوڑ دیں تو پروردگار عالم اس کے عوض اسے کبھی نہ ختم ہونے والے کھانے پینے عطا فرمائے گا اور ساتھ ہی ایسی بیویاں بھی جو سدا زندہ رہیں گی۔

تورات میں ہے کہ مژدہ اُس کے لیے جس نے اُس عظیم آسودگی کے دن کے لیے خود کو بھوکا رکھا......خوش خبری اس شخص کے لیے جس نے اُس دن کے لیے خود کو پیاسا رکھا جس دن بڑے بڑے چشمے دستیاب ہوں گے...... بشارت اس کے لیے جس نے اپنے سامنے موجود شہوت کو ایک اَن دیکھے وعدے پر چھوڑ دیا جس کو اس نے دیکھا تک نہیں ...... مژدۂ جاں فزا اس کے لیے جس نے اس دنیا کے ختم ہو جانے والے کھانے کو اُس آخرت کے لیے ترک کر دیا جہاں کا کھانا اور سایۂ (عیش وعشرت) دائمی ہوگا۔

من يرد مُلک الجنان	فليذر عنه التواني
وليقم في ظلمة الليـ	ـل إلى نور القرآن
وليصل صوما بصوم	إن هذا العيش فاني
إنما العيش جوار	الله في دار الأمان

یعنی جسے جنت کی بادشاہت عزیز ہو اسے چاہیے کہ سستی وغفلت کو خیر آباد کہہ دے۔ اور نورِ قرآن کے ساتھ رات کی تاریکیوں میں قیام کرنے کو اپنا وطیرہ بنا لے۔ ساتھ ہی وہ روزے پر روزے رکھتا جائے؛ کیوں کہ یہ زندگی بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ اصل زندگی تو وہی ہے جو 'دارالامان' (جنت) میں اللہ کے پڑوس میں نصیب ہونے والی ہے۔

ایک مردِ صالح کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے؛ چنانچہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ جنت میں داخل ہو چکے ہیں۔ اچانک پیچھے سے کسی نے آواز دی: اے فلاں! یاد کر کہ کیا کبھی تم نے خالص اللہ کی رضا کے لیے کوئی روزہ رکھا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں، قسم بخدا! میں تو روزانہ ہی ایسا کیا کرتا تھا۔ پھر اچانک وہ کیا دیکھتے ہیں کہ میووں کے برتن ان کے دائیں بائیں بکھرے ہوئے ہیں۔

ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اتنے روزے رکھے کہ بدن (لاغر ہوکر) خمیدہ ہوگیا اور آواز کا تار ٹوٹ گیا جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ ان کے کسی دوست نے خواب میں دیکھ کر ان کے اَحوال دریافت کیے تو فرمایا:

قد کُسي حلة البهاء وطافت ··· بالأباریق حوله الخدام

ثم حُلي و قیل یا قاری ارقه ··· فلَعمری لقد براک الصیام

یعنی مجھے عزت وافتخار کے جوڑے پہنائے گئے اور آفتابے لے کر خدام ہمہ وقت اِردگرد گھومتے رہتے ہیں۔

پھر مجھے زیور سے آراستہ کر کے کہا گیا: اے قاری! اب بلندیوں کی منزلیں طے کرتا جا، یقیناً روزے نے تجھے لاغر کر دیا ہے۔ (یا تجھے پاک کر دیا ہے)

بعض تابعین کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اتنے روزے رکھے کہ (بھوک وپیاس کی شدت سہتے سہتے) اُن کے بدن سیاہ پڑ گئے۔

یوں ہی حضرت اسود بن یزید (م ۷۵ھ) نے اتنی کثرت سے روزے رکھے کہ ان کا جسم سبز ہو کر پھر پیلا پڑ گیا۔ جب ان سے گزارش کی گئی کہ آپ اپنے جسم کے ساتھ رفق و نرمی کا معاملہ فرمائیں تو آپ نے کہا: یہ سب کچھ میں بدن کے ساتھ آسانی و مہربانی ہی تو کر رہا ہوں۔

ایک بزرگ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ انھیں اپنے دماغ کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوا۔ یوں ہی ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ روزے کی حالت ہی میں سخت بیمار ہو گئے۔ ان سے کہا گیا کہ افطار کرلیں (یعنی روزہ توڑ دیں) تو انھوں نے فرمایا: یہ وقت روزہ چھوڑنے (اور توڑنے) کا نہیں ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے روزہ دار مریض سے کہا گیا کہ افطار کرلے تو اس نے کہا کہ میں کیسے روزہ توڑ دوں حالاں کہ میں قیدی ہوں، اور مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا!۔

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر روزے ہی کے عالم میں دنیا سے چل بسے اور افطار نہ فرمایا۔

لوگ حضرت ابوبکر بن ابومریم کی عیادت کرنے کے لیے گئے جو کہ روزے کی حالت میں عالم نزع کے اندر تھے، انھیں پانی پیش کیا گیا تاکہ افطار کرلیں۔ پوچھا: کیا سورج ڈوب چلا ہے؟ کہا گیا: نہیں، تو اِفطار کرنے سے انکار کردیا۔

جب ان پر نزع کی کیفیت شدید ہوگئی تو پھر پانی لایا گیا۔ اشارے سے پوچھا: کیا اب سورج غروب ہوگیا ہے؟ کہا گیا: ہاں۔ چنانچہ ان کی حلق میں ابھی پانی کا ایک قطرہ ہی پہنچ رہا ہوگا کہ ان کی زندگی کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

امام احمد بن حنبل کے دوست حضرت ابراہیم بن ہانی کی نزع کا وقت آیا تو وہ روزے سے تھے۔ لوگوں سے (پانی) طلب کیا، ساتھ ہی غروبِ آفتاب کی بابت بھی پوچھا۔ لوگوں

نے کہا: ابھی نہیں۔ لیکن ایسے عالم میں تو فرض روزے کے اندر بھی رخصت دی گئی جب کہ آپ تو نفلی روزے سے ہیں۔ فرمایا: ذرا رُکو، پھر بولے :

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ○ (سورۂ صافات:۳۷/۶۱)

ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

پھر کچھ دیر بعد اسی حالت میں افطار کیے بغیر ہی ان کی روح پرواز کرگئی۔

پرہیزگاروں کے لیے دنیا کا سارا وقت روزے کا مہینہ ہے، اوران کی عید فطر اپنے رب سے ملاقات کے دن ہوگی۔ روزے کے بڑے دن جاچکے ہیں اور عیدِ ملاقات بالکل قریب آچکی ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

وقد صمت عن لذات دهري كلها

و يوم لقاكم ذاك فطر صيامی

یعنی میں نے زمانے کی ساری لذتوں اور خواہشوں سے روزہ رکھ لیا ہے۔ اور جس دن تیری ملاقات ہوگی، وہی دن میرے روزے کے اِفطار کا دن ہوگا۔

روزہ، چوں کہ عبد ومعبود کے درمیان ایک راز ہے؛ اس لیے اہل اخلاص اس کو چھپانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں تاکہ کسی کو اِس راز پر اطلاع نصیب نہ ہو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول پہنچا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب تم میں کوئی روزے سے ہوتو اس دن اپنی داڑھی میں تیل لگالے اور اپنے ہونٹوں کو تیل سے تر کرلے، تاکہ کوئی دیکھنے والا جب دیکھے تو اسے روزہ دار نہ سمجھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی روزے کی حالت میں صبح کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے بالوں میں تیل کنگھی کرلے۔ یوں ہی جب اپنے داہنے ہاتھ سے صدقہ کرے تو بائیں کو خبر نہ ہونے دے۔ اور جب نفلی نماز پڑھنا ہو تو اپنے گھر کے کسی گوشے میں پڑھے۔

حضرت ابوالتیاح (م ۱۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ 'میں نے اپنے والدگرامی اور محلے کے بزرگوں کو پایا کہ جب ان میں سے کوئی روزہ رکھتا تو (بالوں میں) تیل کرکے اچھے کپڑے زیب تن کرلیا کرتا تھا'۔

اسلافِ کرام میں سے ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے چالیس سال تک روزہ رکھا مگر کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ان کی اپنی ایک دوکان تھی۔ ہر روز جب وہ گھر سے دکان کے لیے نکلتے تو ساتھ میں دو روٹی لے لیتے جنھیں راستے میں صدقہ کردیتے۔ اب گھر والے یہ سمجھتے کہ وہ بازار میں دونوں روٹیاں کھالیتے ہوں گے،اور بازار کے لوگ یہ سمجھتے کہ وہ گھر سے کھا کر چلے ہوں گے۔

ایک بزرگ کثرتِ روزہ رکھنے کے حوالے سے کافی مشہور ہوچکے تھے۔تو (انھوں نے اِخفا کا یہ بہانہ ڈھونڈا کہ) جمعہ کے دن جامع مسجد میں کھڑے ہوجاتے، پانی کا لوٹا لیتے،اس کی ٹوٹی اپنے منہ میں رکھ کر اسے چوستے،لوگ انھیں دیکھتے،مگران کی حلق میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ جاتا تھا۔وہ ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ اُس شہرتِ روزہ کا داغ اپنے دامن سے دور کردیں۔

تواس طرح کتنے اہل صدق وصفا ہوئے ہیں جو اپنے اَحوال چھپاتے پھرتے تھے؛مگر سچائی کی خوشبوان پر مہک رہی ہوتی ہے۔جس نے بھی اپنے راز کو چھپانا چاہا اللہ نے اس کو ردائے اِعلان سے سرفراز فرمادیا۔

کم أکتم حبکم عن الأغیار — والدمع یذیع فی الھوی أسراري

کم أستر کم ھتکتمو أستاري — من یخفي فی الھوی لھیب النار

یعنی میں نے تمہاری محبت کو غیروں سے چھپانے کی ہزار کوشش کی؛مگر عشق میں گرنے والے آنسو ہیں کہ میرا راز فاش کردیتے ہیں۔

اور کتنا ہی میں نے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی مگر تم میرا پردہ چاک

کر دیتے ہو۔ اور پھر عشق کے لپکتے ہوئے شعلوں کو کون مخفی رکھ سکتا ہے!۔

روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ و پسندیدہ ہے۔ تو جب بھی روزہ دار اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی خوشبو دلوں سے پھوٹتی ہے اور روحوں کو سیراب کر جاتی ہے۔ اور کبھی یہ خوشبو پس انتقال ظاہر ہوتی ہے، جب کہ بہت سے لوگوں کی خوشبو قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔

فکاتم الحب یوم البین منهتک　　وصاحب الوجد لا تخفى سرائره

یعنی محبت کو چھپانے والا آہ و بین کے دن (یا بروزِ قیامت) اِفشائے راز کر دے گا۔ یوں ہی وجد کرنے والا شخص کبھی بھی اپنے اَسرار پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔

جس وقت حضرت عبداللہ بن غالب بصری (م ۸۳ھ) کی تدفین عمل میں آئی تو ان کی قبر سے مشک کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ انھیں خواب میں دیکھ کر ان کی قبر سے اُٹھنے والی اس خوشبو کی بابت دریافت کیا گیا تو فرمایا: وہ تلاوت اور پیاس کی خوشبو تھی۔

حدیث مرفوع میں وارد ہوا ہے :

یخرج الصائمون من قبورهم یعرفون بریح صیامهم، أفواههم أطیب من ریح المسک .

یعنی روزے دار اپنی قبروں سے اس حال میں اُٹھیں گے کہ انھیں ان کے روزوں کی خوشبو سے پہچان لیا جائے گا۔ ان کے منہ مشک کی خوشبو سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار ہوں گے۔

وهبنی کتمت السر أوقلت غیره

أ تخفى على أهل القلوب السرائر

أبى ذاک إن السر فی الوجه ناطق

و أن ضمیر القلب في العین ظاهر

یعنی تو مجھے راز چھپا رکھنے کی ہمت عطا کر یا اس کے علاوہ کوئی بات کروں۔ کیا کہیں اہل دل سے بھی کوئی راز پوشیدہ رہ سکتا ہے!۔

اس نے اس بات کا انکار کر دیا کہ راز تو چہرے کے خدوخال سے خود ہی عیاں ہوجاتا ہے اور دل کی حالت آنکھوں سے ظاہر ہوجاتی ہے۔

دوسری فصل: قیامُ اللیل کی فضیلت کے بیان میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے معلوم ہو چکا کہ رات کی تنہائیوں میں اَدا کی جانے والی نمازیں فرض نمازوں کے بعد سب سے زیادہ فضیلت کی حامل ہیں۔ لیکن کیا یہ فرض کے قبل و بعد والی سنت ہائے موکدہ سے بھی افضل ہیں یا نہیں، تو اس سلسلے میں اہل علم کی مختلف آرا بیان کی جاچکی ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

فضل صلوٰة الليل على صلوٰة النهار كفضل صدقة السر على العلانية . (١)

یعنی شب میں پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت دن میں اَدا کی جانے والی نماز پر ایسے ہی ہے جیسے علانیہ صدقہ کرنے پر چھپا کر صدقہ کرنے کی افضلیت۔

امام طبرانی نے اس روایت کو مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ تاہم اس کا موقوف ہونا متحقق ہے۔

حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں :

ركعة بالليل خير من عشر بالنهار .

یعنی رات (کے کسی حصہ) میں ایک رکعت نماز ادا کرنا دن میں ادا کی گئی دس رکعتوں سے بہتر ہے۔

---

(١) معجم کبیر طبرانی: ۱۰/۲۲۱......الزہد لابن مبارک: ۲۳......مجمع الزوائد: ۲/۲۵۱۔

ابن ابی الدنیا نے اس کی تخریج کی ہے۔

نمازِ تہجد کی وجوہاتِ فضیلت: اور دن کی نماز پر رات کی نماز کو فضیلت دینے کا راز یہ ہے کہ اس میں راز داری اور اخلاص وللّٰہیت زیادہ ہے۔سلف صالحین کے معمولات کے حوالے سے آتا ہے کہ وہ اپنے وصف تہجد گزاری کو پوشیدہ رکھنے کی (پوری) کوشش کیا کرتے تھے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا جس کے پاس مہمان آتے رہتے تھے؛ مگراس کا اپنا معمول یہ تھا کہ رات (کی تنہائیوں) میں اُٹھتا، اور کسی کو کانوں کان خبر ہوئے بغیر تہجد اَدا کرلیا کرتا تھا۔ اسلاف کرام دعا میں الحاح وزاری بھی کرتے مگراس انداز سے کہ کوئی ان کی آواز پر مطلع نہ ہونے پائے۔

ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی تکیہ پر سر رکھ کر سوجاتے، پھر وہ ساری رات (یادِ مولا میں) گریہ وزاری کے اندر گزار دیتے اور (اسی تکیہ پر سوئی اس کی) بیوی کواس کی خبر تک نہ ہوتی تھی۔

حضرت محمد بن واسع (م۱۲۳ھ) کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سفر حج کے دوران ساری رات نماز اَدا کرتے اور اپنے حدی خوان سے کہتے کہ اپنی آواز اونچی کرلے تا کہ لوگوں کوان (کی عبادت وریاضت) کا پتہ نہ چل پائے۔

بعض صاحبانِ تقویٰ کا حال یہ تھا کہ وہ آدھی رات میں اُٹھتے، اور کسی کواس کا علم نہ ہونے دیتے، پھر جب طلوعِ فجر کا وقت قریب آتا تو بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنی شروع کردیتے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ ابھی اسی وقت بیدار ہوئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ شب کی نماز (دن کے مقابلے میں) پُر مشقت ہوتی ہے؛ کیوں کہ رات اصلاً سونے، آرام کرنے اور تھکاوٹ دور کرنے کا ایک ذریعہ ہے؛ تو نفس کی شدید خواہش ہونے کے باوجود سونا ترک کرنا یقیناً عظیم مجاہدہ ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ بہترین اعمال وہ ہیں جو نفس کی مخالفت میں سرانجام دیے جائیں۔

تیسرے یہ کہ چوں کہ رات کی نماز میں جو قراءت کی جاتی ہے اُس میں (تنہائی کے باعث) فکر و تدبر کا موقع زیادہ ملتا ہے؛ کیوں کہ عموماً دنیوی مشاغل رات میں موقوف کر دیے جاتے ہیں، یکسوئی کا ماحول بنا ہوتا ہے اور دل و زبان کا اِنہماک و میلان پوری طرح اُس جانب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ رب العزت ہے :

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئاً وَّ أَقْوَمُ قِيْلاً ٥ (سورۂ مزمل: ٧٣/٦)

بے شک رات کا اٹھنا (نفس کو) سخت پامال کرتا ہے اور (دِل و دِماغ کی یکسوئی کے ساتھ) زبان سے سیدھی بات نکالتا ہے۔

اور اسی تناظر میں قیام اللیل میں قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چوتھے یہ کہ تہجد کی نماز اسے گناہوں سے (زیادہ) روکتی ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی و امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ فلاں شخص رات میں نماز بھی پڑھتا ہے؛ لیکن صبح ہو کر پھر چوری بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: (رات کی عبادت) اسے عنقریب اس (برے عمل) سے روک دے گی۔(۱)

پانچویں یہ کہ چوں کہ رات کی گھڑیوں میں تہجد کا وقت نفلی نماز پڑھنے کے لیے سب سے موزوں اور افضل ہے اور اس وقت بندہ اپنے رب کے انتہائی قریب ہوتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب آسمانی دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دعاؤں کی مقبولیت بڑھ جاتی ہیں اور منگتوں کی ضرورتیں پوری کر دی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ رات میں اُٹھ کر ذکر و دعا اور استغفار و مناجات کرنے والوں کی تعریف و تذکرہ بطورِ خاص فرما رہا ہے :

(۱) مسند امام احمد بن حنبل: ۲/۴۴۷...... مجمع الزوائد: ۸۹/۷۔

تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوفاً وَّ طَمَعاً وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥ فَلاَ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (سورۂ سجدہ:۳۲/۱۶،۱۷)

ان کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور اُمید (کی ملی جلی کیفیت) سے پکارتے ہیں، اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ ان (اعمالِ صالحہ) کا بدلا ہوگا جو وہ کرتے رہے تھے۔

فرمایا:

وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالأَسْحَارِ ٥ (سورۂ آل عمران:۳/۱۷)

اور رات کے پچھلے پہروں میں (اُٹھ اُٹھ کر اپنے رب سے) مغفرت طلب کرنے والے۔

كَانُوا قَلِيْلاً مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ، وَ بِالاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ٥
(سورۂ ذاریات:۵۱/۱۷،۱۸)

''وہ راتوں کو تھوڑی سی دیر سویا کرتے تھے، اور رات کے پچھلے پہروں میں (اُٹھ اُٹھ کر اپنے رب سے) مغفرت طلب کرتے تھے۔

فرمایا:

وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَاماً ٥ (سورۂ الفرقان:۲۵/۶۴)

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لیے سجدہ ریزی اور قیام میں راتیں بسر کرتے ہیں''۔

فرمایا:

اَ مَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَّ قَائِماً يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهٖ، قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُونَ o
(سورۃ الزمر:۹/۳۹)

''بھلا (یہ مشرک بہتر ہے یا) وہ (مومن) جو رات کی گھڑیوں میں سجود اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔ فرما دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں۔

فرمایا :

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ o (سورۃ آل عمران:۱۱۳/۳)

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر (بھی) قائم ہیں وہ رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سر بہ سجود رہتے ہیں۔

اور (خاص) اپنے نبی کے لیے فرمایا :

وَ مِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَحْمُوْداً o (سورۃ اسراء:۷۹/۱۷)

اور رات کے کچھ حصہ میں (بھی) قرآن کے ساتھ (شب خیزی کرتے ہوئے) نماز تہجد پڑھا کریں یہ خاص آپ کے لئے زیادہ (کی گئی) ہے یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمٰی جہاں جملہ اولین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)۔

وَ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَيْلاً طَوِيْلاً o (سورۃ انسان:۲۶/۷۶)

اور رات کی کچھ گھڑیاں اس کے حضور سجدہ ریزی کیا کریں اور رات کے

(بقیہ) طویل حصہ میں اس کی تسبیح کیا کریں۔

فرمایا :

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً، نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً اَوْ زِدْ عَلَیْهِ ...o (سورۂ مزمل:۳۰۷۳/۲ تا۴)

اے کملی کی جھرمٹ والے (حبیب!) آپ رات کو (نماز میں) قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر (کے لیے)، آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کردیں، یا اس سے کچھ زیادہ کردیں۔

قیامُ اللیل کی تاکید: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص سے فرمایا :

لا تدع قیام اللیل فان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم کان لا یدعه و کان إذا مرض أو قالت : کسِل صلی قاعدا. (۱)

یعنی رات میں قیام کرنے کی عادت نہ چھوڑنا؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام اللیل کبھی ترک نہیں فرمایا۔ جب طبیعت مبارکہ ناساز ہوتی - یا فرمایا- کسی سستی و تھکن کا اِحساس ہوتا تو بیٹھ کر اپنے مولا کی عبادت کرلیتے (مگر کسی حال میں قیام اللیل کی سعادت ہاتھ سے جانے نہ دیتے)۔

انھیں سے ایک دوسری روایت میں آیا، فرماتی ہیں کہ مجھے کچھ لوگوں کے بارے میں پتا چلا ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر ہم فرائض اَدا کرلیں تو اس کے بعد ہمیں مزید نماز پڑھنے کی فکر نہیں ہوتی !۔ اللہ کی عزت کی قسم! یہ تو سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے صرف فرائض کی بابت سوال فرمائے گا؛ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ رات دن غلطیوں پر غلطیاں کرتے رہتے

(۱) سنن ابوداؤد:۲۶۷/۴ حدیث:۱۳۰۹......مسند احمد بن حنبل:۴۷۷/۵۶ حدیث:۲۶۸۶۸......صحیح ابن خزیمہ:۳۱۷/۴ حدیث:۱۰۷۴...... مستدرک حاکم:۸/۳ ۱۷ حدیث:۱۱۰۷......سنن کبریٰ بیہقی:۱۵/۳......مسند طیالسی:۴۰۰/۴ حدیث:۱۶۱۱......الادب المفرد:۱۷۴/۳ حدیث:۸۲۵۔

ہیں، انھیں اپنے نبی کی کامل پیروی کرتے رہنا چاہیے اور نبی تو آیا ہی تھا خیر وفلاح کے دروا کرنے کے لیے۔ سو جان لو کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنی حیاتِ طیبہ میں کبھی بھی) قیام اللیل نہیں چھوڑا۔

پھر آپ نے قیام اللیل سے متعلق وہ ساری آیتیں تلاوت فرمائیں۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمودات سے پتا چلا کہ قیام اللیل میں دو بڑے فائدے ہیں: ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اِقتدا و اتباع اور آپ کے اُسوے کی پیروی، جس کے بارے میں ارشادِ رب العزت ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ o (سورۂ احزاب:۲۱/۳۳)

درحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے۔

اور دوسرا یہ کہ اس سے لغزشیں اور خطائیں مٹادی جاتی ہیں۔ اور چوں کہ ہر انسان شب وروز غلطیاں کرتا رہتا ہے؛ اس لیے اسے کسی ایسے عمل کی ضرورت تھی جو ان ساری غلطیوں کو مٹا کر رکھ دے تو قیام اللیل اس عمل کے لیے نہایت مجرب نسخہ ہے۔ جیسا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا :

قیام العبد فی جوف اللیل یکفر الخطیئة، ثم تلا :(تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) . (۱)

یعنی بندے کا رات کی تنہائیوں میں (اللہ کے حضور) کھڑے ہوجانا غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت پاک کی تلاوت فرمائی: 'ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں'۔

امام احمد وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔

(۱) بغیۃ الحارث: ۲۳/۱...... مسند جامع: ۲۸۶/۳۵ حدیث: ۱۱۴۸۸......

روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ تہجد گزار جنت میں بلا حساب کتاب داخل ہوں گے۔

شہر بن حوشب، حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إذا جمع اللّٰه الأولين و الآخرين يوم القيامة جاء مناد ينادي بصوت يسمع الخلائق سيعلم الخلائق اليوم من أولى بالكرم ثم يرجع فينادي : أين الذين كانوا لا تلهيهم تجارة و لا بيع عن ذكر اللّٰه فيقومون و هم قليل ثم يرجع فينادي : ليقم الذين كانوا يحمدون اللّٰه فى السراء و الضراء فيقومون و هم قليل، [ثم يرجع فينادي: ليقم الذين كانت تتجافى جنوبهم عن المضاجع، فيقومون وهم قليل] ثم يحاسب سائر الناس . (۱)

یعنی عرصۂ محشر میں جب سارے اگلوں پچھلوں کو اللہ جمع فرمالے گا تو ایک منادی بلند آواز سے ندا کرتا ہوا آئے گا جسے ہر کوئی سنے گا اور آج لوگوں کو پتا چلے گا کہ (اللہ کی نگاہ میں) سب سے زیادہ عزت واِکرام کا مستحق کون ہے!۔ پھر یہ ندا دیتے ہوئے پلٹے گا: وہ لوگ کہاں ہیں جن کی تجارت اور خرید وفروخت انھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرپاتی تھی، تو تھوڑی مقدار میں لوگ کھڑے ہوں گے۔ پھر ندا دیتے ہوئے پلٹے گا: اَب وہ لوگ بھی کھڑے ہوجائیں گے جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں اللہ کی حمد وثنا کیا کرتے تھے، تو وہ کھڑے ہوجائیں گے اور ان کی تعداد بھی مختصر ہوگی۔ [پھر دوبارہ پکارے گا: اَب وہ لوگ کھڑے ہوجائیں جن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے تھے، پس ایک جماعت کھڑی ہوجائے گی اور یہ بھی تھوڑے ہوں گے] پھر اس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب کتاب شروع ہوگا۔

---

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۲۹۴......شعب الایمان بیہقی: ۲/۲۵۵ حدیث: ۱۲/۷...... تفسیر رازی: ۱۰/۳۶۱......تفسیر در منثور: ۷/۳۰۹...... کنز العمال: ۱۵/۸۵۲ حدیث: ۴۳۳۹۱۔

ابن ابی الدنیا وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔شہر بن حوشب نے حضرت عبداللہ بن عباس کے طریق سے بھی اسے روایت کیا ہے۔ یوں ہی ابواسحٰق نے عبداللہ بن عطا سے اور انھوں نے عقبہ بن عامر سے بھی یہ حدیث مرفوعاً اور موقوفاً روایت کی ہے۔مزید برآں عبادہ بن صامت، ربیعہ الجرشی، حسن اور کعب سے بھی یہ مروی ہے۔

بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ رات کا قیام روزِ قیامت کے لمبے قیام کو آسان کردے گا۔اور قیام اللیل کرنے والے بلاحساب وکتاب (خراماں خراماں) جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔(جبکہ دیگر لوگ ابھی حساب کے جھمیلوں میں الجھے ہوں گے تو اس طرح وہ) حساب کے لیے مدتوں کھڑے رہنے کی زحمت سے بچ جائیں گے۔

حضرات ابوامامہ اور بلال سے مروی حدیث مرفوع میں ہے :

علیکم بقیام اللیل فإنه دأب الصالحین قبلکم، وإن قیام اللیل قربة إلی اللّٰہ تعالیٰ و تکفیر للسیئات و مَنهَاةٌ عن الإثم ومطردة للداء عن الجسد . (۱)

یعنی رات کا قیام اپنے اوپر لازم کرلو کہ وہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہےاور قیام اللیل بلاشبہہ قربِ خداوندی کا باعث ہے، نیز وہ برائیوں کو مٹاتا ہے، گناہوں سے روکتا ہےاور جسم سے بیماریوں کو دفع کرتا ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔تو اس حدیث سے پتا چلا کہ رات کا قیام نہ صرف بدن کی تندرستی کا باعث ہے بلکہ اس سے آدمی بیماریوں سے دور بھی رہتا ہے۔یہی فوائد دن کے روزہ رکھنے کے بھی ہیں جیسا کہ طبرانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث میں ہے :

---

(۱) سنن ترمذی: ۵۵۲/۵ حدیث: ۳۵۴۹......مستدرک حاکم: ۴۵۱/۱ حدیث: ۱۱۵۶......سنن کبریٰ بیہقی: ۵۰۲/۲ حدیث: ۴۴۲۳......معجم کبیر طبرانی: ۹۲/۸ حدیث: ۷۴۶۶۔

صوموا تصحوا .(۱)

یعنی روزے رکھوتندرست اورصحت مندرہوگے۔

جس طرح رات کا قیام گناہوں کی معافی کا سبب ہے اسی طرح وہ درجات کی بلندی کا بھی باعث ہے۔ہم پہلے ذکرکرچکے ہیں کہ رات میں قیام کرنے والے بلاحساب وکتاب جنت میں چلے جائیں گے۔

مشہورحدیث منام میں ہے جس کوامام احمداورترمذی نے ذکرکیا ہے کہ ملائکہ مقربین درجات کو بلند کرنے والی اور گناہوں کو معاف کرنے والی چیزوں کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔

اورپھراس کے اندر یہ بیان کیا گیا کہ یہاں بلندیِ درجات عطا کرنے والے اعمال سے مراد کھانا کھلانا،سلام پھیلانا،اوررات میں اُٹھ کرنمازاَدا کرنا ہے جب کہ دوسرے لوگ سورہے ہوں۔

مسند احمداورترمذی وغیرہ میں مختلف طریقوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ’جنت کے اندرایسے بالاخانے ہوں گے جن کا اندر باہر سے اور باہر اندر سے نظر آرہا ہوگا اور وہ ان مذکورہ تین خصلتوں کے حامل اَفراد کے لیے تیار کیے گئے ہوں گے‘۔

حضرت عبداللہ بن سلام کی مشہورحدیث میں ہے جس کی تخریج سنن میں کی گئی ہے کہ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد انھوں نے سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے پہلے یہ حدیث سماعت کی تھی :

---

(۱) کنزالعمال : ۴۵۰/۸ حدیث: ۲۳۶۰۵......المقاصد الحسنۃ سخاوی:۲۶۰/۱......اللآلی المنثورۃ فی الاحادیث المشہورۃ زرکشی:۱۵۹/۱......اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب:۱۷۳/۱حدیث: ۸۲۹......اللآلی المنثورۃ فی الاحادیث المشتہرۃ:۱۲/۱۔

أيها الناسُ أفشوا السلام و أطعِموا الطعام و صِلوا الأرحام و صَلوا بالليل و الناس نيام تدخلون الجنة بسلام . (۱)

یعنی اے لوگو! سلام پھیلاؤ (کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو)۔ کھانا کھلایا کرو۔ رشتہ داریاں جوڑو اور راتوں کو نماز پڑھا کرو جب کہ لوگ سو رہے ہوں (ایسا کروگے تو) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

تہجد کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تہجد گزاروں کو نہ صرف محبوب رکھتا ہے بلکہ فرشتوں پر فخر ومباہات فرماتا ہے اور ان کی دعائیں شرفِ قبولیت سے ہمکنار کرتا ہے۔

تین قسم کے لوگ محبوبِ الٰہی ہوتے ہیں!: امام طبرانی وغیرہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثة يحبهم الله و يضحَک إليهم و يستبشر بهم فذكر منهم الذي له امرأة حسناء و فراش حسن فيقوم من الليل فيقول الله تعالى : يذر شهوته فيذكرني و لو شاء رقد و الذي إذا كان في سفر و كان معه ركب فسهِروا ثم هجعوا فقام من السحر فى سراء و ضراء . (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے محبت فرماتا ہے، ان سے خوش ہوتا ہے اور ان کو خوش خبری سناتا ہے: ان تین میں سے ایک ایسا آدمی ہے جس کے پاس حسین وجمیل بیوی اور خوبصورت بستر موجود ہے؛ مگر وہ (ان دونوں کو چھوڑ کر) رات کی

---

(۱) سنن ترمذی: ۶۵۲/۴ حدیث: ۲۴۸۵...... سنن ابن ماجہ: ۴۲۳/۱ حدیث: ۱۳۳۴...... مسند احمد بن حنبل: ۴۵۱/۵ حدیث: ۲۳۸۳۵۔

(۲) جامع الاحادیث: ۵/۱۲ حدیث: ۱۱۳۰۰...... جمع الجوامع: ۱۱۴۳۰/۱ حدیث: ۲۰۴...... کنز العمال: ۸۴۳/۱۵ حدیث: ۴۳۳۵۰...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳۰۱/۲ حدیث: ۳۵۳۶۔

تنہائیوں میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اللہ فرماتا ہے : (میرے فرشتو! دیکھو کہ اسے مجھ سے کتنا پیار ہے کہ) یہ اپنی لذت وخواہش چھوڑ کر میرے ذکر میں لگا ہوا ہے، حالاں کہ یہ سو بھی سکتا تھا۔ اور دوسرا وہ شخص کہ جب وہ حالت سفر میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دیگر سوار بھی ہوتے ہیں جو سفر کرتے کرتے آخر رات میں سو جاتے ہیں، مگر یہ بندہ سحر کے وقت خوشی اور تنگی کے موقع پر اُٹھ کر ذکر الٰہی میں لگ جاتا ہے۔

یوں ہی امام احمد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ثلاثة يحبهم الله -فذكر منهم- و قوم ساروا ليلهم حتى إذا كان النوم أحب إليهم مما يعدل به فوضعوا رؤوسهم فقام يتملقني و يتلو آياتي . (۱)

یعنی تین قسم کے لوگ اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک وہ گروہ بھی ہے کہ جو رات کو سفر کرتا ہے، پھر جب انھیں میٹھی میٹھی نیند آنے لگتی ہے، اور اپنے سر (زمین پر) رکھ کر سو جاتے ہیں، تو (ان میں سے ایک شخص) اُٹھتا ہے، مجھ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگا اور میری آیتوں کی تلاوت کرنے لگتا ہے۔

امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

عجب ربنا من رجلين : رجل ثار عن وطائه و لحافه من بين أهله

---

(۱) سنن نسائی: ۲۲۹/۳ حدیث: ۱۶۱۴...... مسند بزار: ۳۷۰/۵ حدیث: ۴۰۲۷...... صحیح ابن حبان: ۱۴/ ۲۰۰ حدیث: ۳۴۱۸...... صحیح ابن خزیمہ: ۶۵/۹ حدیث: ۲۲۶۰...... سنن کبریٰ نسائی: ۴۴/۲ حدیث: ۲۳۵۱...... مستدرک حاکم: ۴۹/۴ حدیث: ۱۴۶۷...... کنز العمال: ۱۲۵۱/۱۵ حدیث: ۴۳۲۵۴۔

و حبه إلى صلاته فيقول ربنا تبارك و تعالى : يا ملائكتي انظروا إلى عبدي ثار من فراشه و وطائه من بين حبه و أهله إلى صلاته رغبة فيما عندي و شفقة مما عندي، و رجل غزا في سبيل اللّٰه عزوجل و انهزم أصحابه و علم ما عليه في الانهزام و ماله في الرجوع فرجع حتى أهريق دمه فيقول اللّٰه عزوجل لملائكته : انظروا إلى عبدي رجع رجاء فيما عندي و شفقة مما عندي حتى أهريق دمه . (۱)

یعنی ہمارا پروردگار دو شخصوں پر تعجب فرماتا ہے۔ایک وہ شخص جو اپنے بستر و لحاف، اپنی بیوی اور پیاروں کو چھوڑ کر نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جسے دیکھ کر اللہ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے اس بندے کو دیکھو کہ یہ اپنے اہل و احباب کے درمیان سے نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے، اس چیز کی رغبت میں جو میرے پاس ہے (یعنی جنت) اور اس چیز سے ڈرتے ہوئے جو میرے پاس ہے (یعنی جہنم)۔ اور دوسرا وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اس کے سارے ساتھیوں نے راہِ فرار اختیار کر لی، اب اس کو پتا ہے کہ اگر وہ بھاگتا ہے تو اس کا کیا بنتا ہے اور پلٹ کر دوبارہ میدانِ جنگ میں اُتر آنے کی کیا فضیلت ہے؛ چنانچہ وہ پلٹ کر پھر حملہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کا خون بہا دیا جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرے اس بندے کو دیکھو یہ لڑائی کی طرف لوٹا، اس چیز میں امید کرتے ہوئے جو میرے پاس ہے اور ڈرتے ہوئے اس چیز سے جو میرے پاس ہے، حتیٰ کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔

اسے امام احمد نے روایت کیا اور پھر آگے بقیہ حدیث کو بیان کیا ہے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۲۹۰/۶ حدیث: ۲۹۸......سنن بیہقی: ۲۴۱/۲ حدیث: ۱۸۹۹۴......مسند احمد: ۵۵/۹ حدیث: ۴۰۲۸......الابانۃ الکبریٰ ابن بطہ: ۱۴۰/۶ حدیث: ۲۵۲۱......معجم کبیر طبرانی: ۲۴/۹ حدیث: ۱۰۲۳۰......جمع الجوامع: ۱۴۳۳۰/۱ حدیث: ۳۲......مسند جامع: ۳۴۴/۲۷ حدیث: ۹۰۰۳۔

حدیث پاک میں مذکور لفظ 'ثار' سے اشارہ ملتا ہے کہ شب کا قیام پورے عزم، نشاط اور چستی کے ساتھ کرنا چاہیے۔

عطیہ کے طریق سے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ان اللّٰہ یضحک إلی ثلاثة نفر : رجل قام من جوف اللیل فأحسن الطھور فصلی و رجل نام و ھو ساجد و رجل في کتیبة منھزمة فھو علی فرس جواد لو شاء أن یذھب لذھب . (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ تین لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے: ایک وہ شخص جو رات کی تنہائی میں اُٹھتا ہے اور بہترین طریقے سے پاک صاف ہو کر نماز ادا کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو سجدے کی حالت میں سو گیا۔ تیسرا وہ شخص جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار بھاگنے والی جماعت میں تھا لیکن اس نے لڑائی جاری رکھی، اگر وہ بھاگنا چاہتا تو بآسانی بھاگ جاتا۔

یوں ہی امام ابن ماجہ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت مجالد اور ابو الودّاک کے طریق سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

إن اللّٰہ لیضحک إلی ثلاثة : الصف في الصلاة و الرجل یصلي في جوف اللیل و الرجل یقاتل أراہ قال : خلف الکتیبة . (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ تین لوگوں سے خوشی کا اِظہار فرماتا ہے: نماز (باجماعت) کی صف۔ دوسرا رات (کی تنہائیوں) میں نماز پڑھنے والا۔ اور تیسرا اللہ کے راستے میں لڑنے والا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ سرکار نے یہ فرمایا: وہ شخص جو بھاگ جانے والے لوگوں کے بعد پیچھے رہ گیا ہو۔

---

(۱) جمع الجوامع: ۱/۴۳۱۷۸ حدیث: ۲۵۲۹...... مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۲/۳۰۲ حدیث: ۳۵۴۱۔

(۲) سنن ترمذی: ۱/۲۴۱ حدیث: ۲۰۵...... الجامع الکبیر سیوطی: ۱/۴۲۱۷۸ حدیث: ۲۵۲۸۔

تین مستجاب مقامات: اور ہم نے اَبان کے طریق سے حضرت انس اور ربیعہ بن وقاص سے روایت نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ثلاث مواطن لا ترد فيها دعوة رجل يكون في برية حيث لا يراه أحد فيقوم فيصلي فيقول الله لملائكته : أرى عبدي هذا يعلم أن له ربا يغفر الذنب فانظروا ما يطلب ؟ فتقول الملائكة : أى رب رضاک و مغفرتک فيقول : أشهدوا أنى قد غفرت له و رجل يقوم من الليل فيقول الله عزوجل : أ ليس قد جعلت الليل سكنا و النوم سباتا فقام عبدي هذا يصلي و يعلم أن له ربا فيقول الله لملائكته : انظروا ما يطلب عبدي هذا ؟ فتقول الملائكة : يا رب رضاک و مغفرتک فيقول : اشهدوا أني قد غفرت له و ذكر الثالث الذي يكون في فئة فيفر أصحابه و يثبت هو. (۱)

یعنی تین جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں دعائیں مسترد نہیں ہوتیں۔ ایک وہ بیابان جہاں کوئی آدمی ہو جسے کوئی نہ دیکھ رہا ہو، پھر وہ اُٹھے اور نماز پڑھنے لگے۔ (اسے دیکھ کر) اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: ذرا میرے اس بندے کو دیکھو کہ اسے پتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف کر دیتا ہے تو دیکھو کہ وہ کیا مانگ رہا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: مولا! وہ تیری خوشنودی و بخشش کا طلب گار ہے۔ اللہ فرماتا ہے: تم گواہ رہنا میں نے اسے بخش دیا ہے۔ دوسرے وہ شخص جو رات (کی تنہائی) میں اُٹھتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: کیا رات آرام کرنے کے لیے نہیں بنائی گئی اور نیند جسمانی راحت کا سبب نہیں ہے؟ (مگر اس کے باوجود) میرا یہ بندہ اسے چھوڑ کر نماز اَدا کر رہا ہے، اور اسے معلوم ہے کہ اس کا ایک پالنہار ہے،

---

(۱) جمع الجوامع: ۱/۱۱۴۲۳ حدیث: ۱۹۷...... کنز العمال: ۲/۱۰۲ حدیث: ۳۳۳۶...... معرفۃ الصحابہ: ۸/۲۴ حدیث: ۲۴۴۴...... جامع الاحادیث: ۱۱/۵۰۰ حدیث: ۱۱۲۹۲۔

تو اللہ فرشتوں سے فرماتا ہے: ذرا دیکھو میرا یہ بندہ کیا طلب کر رہا ہے؟ فرشتے عرض گزار ہوتے ہیں: اے پروردگار! یہ تیری مغفرت و رضا کا اُمیدوار ہے۔ فرماتا ہے: تم سب گواہ رہنا میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اور تیسرا وہ شخص جو کسی دستے کے ساتھ تھا، اس کے سارے ساتھی بھاگ گئے مگر وہ ثابت قدمی سے جما رہا۔

یہ مذکورہ آدمی پچھلی تمام احادیث میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

وضو شیطانی گرہوں کو کھول دیتا ہے: مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

'میری اُمت کے دو آدمی ہوں گے: ان میں سے ایک آدمی وہ ہوگا جو رات کو کھڑا ہوتا ہے اور نفس کا مقابلہ کر کے وضو کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے، اور اس پر گرہیں ہوتی ہیں چنانچہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے، جب چہرے کو دھوتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے، جب سر کا مسح کرتا ہے تو ایک اور گرہ کھل جاتی ہے اور جب اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو پھر ایک گرہ اور کھل جاتی ہے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں سے جو پردہ کے پیچھے ہیں فرماتا ہے: میرے اس بندے کی طرف دیکھو جس نے اپنے نفس کو پچھاڑ دیا، اب وہ مجھ سے جو بھی سوال کرے گا وہ اسے عطا کر دیا جائے گا'۔(۱)

صحیحین میں روایت ہے کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

'عبداللہ (ابن عمر) کتنا اچھا آدمی ہے، کاش! یہ رات میں نماز کے لیے اُٹھتا'۔(۲)

یہ فرمان سننے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رات میں بہت تھوڑا سوتے، زیادہ وقت شب بیداری میں گزار دیا کرتے تھے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲۰۱/۴...... صحیح ابن حبان: ۳۲۹/۳...... مجمع الزوائد: ۲۲۴/۱۔

(۲) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۱۱۲۲...... صحیح مسلم، رقم حدیث: ۲۴۷۸۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جو سفر کا اِرادہ رکھتا ہو۔ کیا وہ سفر کے لحاظ سے بموافق سفر اتنا زادِ راہ تیار نہیں کرے گا جو اسے اس کی منزل تک پہنچا دے۔ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا:

’سنو! قیامت کے سفر کی راہ بڑی طویل ہے۔ لہٰذا اس کٹھن سفر کے لیے زادِ راہ تیار کرلو جو تمھیں کام آئے۔ حج کرو تو ایسا جو عظیم امور کے لیے نفع رساں ثابت ہو۔ ایسے ایام میں روزے رکھو جب گرمی کی شدت انتہا پر ہو تاکہ قیامت کے دن کی گرمی سے امان پاسکو۔ رات کے اندھیرے میں دو رکعتیں پڑھنے کی عادت ڈالو تاکہ قبر کی وحشت سے بچ سکو۔ صدقہ و خیرات کرتے رہو تاکہ مشکل ترین دن کے شر سے محفوظ رہو‘۔(۱)

کہاں ہیں راتوں میں قیام کرنے والے سعادت مند! کہاں ہیں حسن بصری، سفیان ثوری اور فضیل بن عیاض... کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

یا رجال اللیل جدوا رب داع لا یرد
ما یقوم اللیل إلا من له عزم وجد
لیس شيئ کصلا ة اللیل للقبر یعد

یعنی اے شب بیدار لوگو! جی توڑ کوشش کرو؛ کیوں کہ بہت سے بلانے والے ایسے ہیں جو دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے۔

رات کے قیام کی اس شخص کے سوا کسی کو توفیق نہیں ملتی مگر جو اِرادے کا پکا اور مشقت جھیلنے کا عادی ہو۔

رات کی نماز سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز نہیں جس کو قبر کے لیے تیار کیا جائے۔

---

(۱) صفۃ الصفوۃ، ابن جوزی: ۱/۵۹۲۔

اَسلاف کی شب بیداری کا انداز: سلف صالحین کی زندگیوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں سے بہت سوں نے بیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز اَدا کی۔ جب کہ کئی ایسے بھی ہوئے جنھوں نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ اور ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کوئی چالیس سال ہوگئے مجھ کو اگر کوئی چیز غمگین کرتی ہے تو وہ طلوعِ فجر ہے (کہ اس سے میری شب بیداری کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے)

حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال تک قیام اللیل کی مشقت برداشت کی، تو اس کی برکت سے بعد کے بیس سال بہت آرام سے گزرے۔

قیام کے لیے رات کا افضل وقت کون سا ہے: قیام اللیل کے لیے افضل وقت رات کا درمیانی حصہ ہے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> ’بہترین قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے، وہ آدھی رات سوتے، ایک تہائی قیام فرماتے اور پھر رات کے چھٹویں حصے میں آرام فرماتے‘۔(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ جب مرغ کی آواز سنتے تو نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور وہ مرغ درمیانی شب میں بانگ دیا کرتا تھا۔(۲)

امام نسائی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک بار بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! رات کا کون سا حصہ بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: درمیانی شب۔(۳)

امام احمد بن حنبل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیام کرنے کے لیے رات کا کون سا

---

(۱) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۱۱۳۱۔
(۲) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۱۱۳۲......صحیح مسلم: ۷۴۱۔
(۳) سنن نسائی، رقم حدیث: ۵۷۲۔

وقت بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصے کے درمیان کا یا درمیانی شب۔ اور یہ سعادت پانے والے کم ہی لوگ ہیں۔(۱)

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آکر عرض گزار ہوا: یارسول اللہ! رات کا کون سا وقت افضل ہے۔ ارشاد فرمایا: شب کا درمیانی حصہ۔ اس نے پھر پوچھا: یارسول اللہ! کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا: فرض نمازوں کے بعد والی دعا۔

امام ترمذی اور امام نسائی نے ان الفاظ کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ اس شخص نے پوچھا: کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: آخری شب اور فرض نمازوں کے بعد والی دعا۔(۲)

امام ترمذی نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی انھوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ 'بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب رات کے درمیانی حصے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تجھ سے ممکن ہو کہ ان لوگوں میں سے ہوجاؤ جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہوں تو اُن میں سے ہوجانا'۔(۳)

روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! رات کے کس حصے میں میں تیری رضا وخوشنودی کے حصول کے لیے قیام کیا کروں؟۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا: نہ تو ابتدائی شب میں اور نہ آخر شب میں بلکہ درمیانی شب میں میرے حضور کھڑا ہوا کر، تاکہ تو میرے ساتھ تنہا ہو اور میں بھی تیرے ساتھ ہوں اور اس وقت اپنی ضرورتیں میرے سامنے رکھ۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۵/۱۷۹۔
(۲) سنن ترمذی، رقم حدیث: ۳۴۹۴۔
(۳) سنن ترمذی، رقم حدیث: ۳۵۷۴۔

ایک مشہور روایت میں وارد ہوا ہے کہ 'وہ شخص مجھ سے محبت کا دعویٰ کرنے میں جھوٹا ہے کہ جب رات چھائے تو مجھ سے بے پروا ہو کر ردائے غفلت تانے سو جائے۔ کیا محبت کرنے والا اپنے محبوب کے ساتھ خلوت پسند نہیں کرتا۔ میں اپنے سچے دوستوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ جب ان پر رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو ان کے دل کی آنکھیں روشن کر دیتا ہوں، پھر وہ مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں گویا کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہوں اور بات کا انداز یوں ہوتا ہے جیسے وہ میرے دربار میں حاضر ہوں۔ میں کل قیامت میں اپنے دوستوں کی آنکھوں کو جنتوں کی ٹھنڈک بخشوں گا'۔ بقولِ شاعر ؎

الليل لي و لأحبابي أحادثهم　　قد اصطفيتهم كي يسمعوا ويعوا
لهم قلوب بأسراري لها ملئت　　على ودادي وإرشادي لهم طبعوا
سروا فما وهنوا عجزا ولا ضعفوا　　وواصلوا حبل تقريبي فما انقطعوا

یعنی رات میرے لیے اور میرے سچے دوستوں کے لیے ہے جس میں میں ان سے مخاطب ہوتا ہوں، میں نے ان کو چن لیا ہے تاکہ وہ سنیں اور قبول کریں۔

ان کے دل میرے رازوں سے لبریز ہوتے ہیں، ان میں میری محبت جوش مارتی ہے اور اسی پر وہ مہر لگا دیے گئے ہیں۔

وہ چلے (مگر اس شوق سے کہ) نہ تو عاجز ہو کر لاغر ہوئے اور نہ ہمت ہارے بلکہ انھوں نے میری قرب کی رسی تھام لی اور مجھ سے کبھی بچھڑے نہیں۔

اہل محبت کے نزدیک خلوت میں اپنے محبوب سے دعا و مناجات سے بڑھ کر کوئی لذت ولطف کے اَوقات نہیں ہوتے۔ یہی ان کے دلوں کی شفا اور یہی ان کی منزلِ مقصود ہے۔

كتمت اسم الحبيب من العباد　　ورددت الصبابة في فؤادي
فيا شوقا إلى بلد خلي　　لعلى باسم من أهوى أنادي

یعنی میں نے لوگوں سے اپنے محبوب کے نام کو چھپائے رکھا اور اپنے دل میں سوزشِ عشق بھڑکا لی۔ لہٰذا اے شوق! مجھے کسی ایسی خالی جگہ پر لے کر چل جہاں میں

اپنے محبوب کو اس کے نام کے ساتھ پکار سکوں۔

حضرت داؤد الطائی (م ۱۶۵ھ) جب رات آتی تو فرماتے: تیرے غم نے مجھے جملہ غموں سے آزاد کر دیا اور مجھ سے شب بیداری کا عہد لے لیا ہے۔ تیری طرف دیکھنے کا شوق مجھ کو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے جو میری اور میری خواہشات کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔

حضرت عتبہ غلام جب راتوں میں اُٹھتے تو یوں مناجات کرتے تھے: اے پروردگار! اگر تو مجھے عذاب دے تب بھی میں تجھ سے محبت کرنے والا ہوں اور اگر مجھ پر رحم فرما دے تب بھی میں تجھ سے محبت کرنے والا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

لو أنک أبصرت أهل الهویٰ إذا غارت الأنجم الطلع

فهٰذا ینوح علی ذنبه و هٰذا یصلي وذا یرکع

یعنی اگر تجھے کبھی عشق والے اس وقت نظر آجائیں جب چمکتے ستارے چھپ جاتے ہیں تو ان میں کوئی اپنے گناہوں پر رو رہا ہوتا ہے اور کوئی حالت نماز میں رکوع کر رہا ہوتا ہے۔

جو اہل عشق و محبت کے ذوق سے ناآشنا ہے اور ان کی سرگوشیوں سے بے خبر ہے وہ کیا جانے کہ انھیں کس چیز نے رونے پر مجبور کیا۔ جس نے جمالِ یوسف کا مشاہدہ ہی نہ کیا ہو اسے کیا پتا کہ کس چیز نے یعقوب کے دل کو گہوارۂ درد و الم بنایا تھا!۔

من لم یبت والحب حشو فؤاده

لم یدر کیف تفتت الأکباد

یعنی جس کے دل میں محبت کے جذبات انگڑائیاں لے رہے ہوں اور اس نے کبھی شب بیداری نہ کی ہو، وہ کیا جانے کہ جگر کے ٹکڑے کیسے کیے جاتے ہیں!۔

حضرت ابو سلیمان دارانی (م ۱۹۰ھ) فرمایا کرتے تھے :

’شب بیداروں کو شب بیداری میں جو لطف و مزہ ملتا ہے وہ اس مزے سے کہیں

بڑھ کر ہے جو کھیلنے والوں کو کھیل کود میں ملا کرتا ہے۔ اگر رات نہ ہوتی تو دنیا رہنا گوارا نہ تھا۔ درمیانی شب اہل محبت کے لیے بہترین تنہائی کا وقت ہوتا ہے جس میں وہ اپنے محبوب سے مناجات کرتے ہیں۔ اور وقت سحر زیاں کاروں کے لیے بہترین ہوا کرتا ہے جس میں وہ اپنے گناہوں سے معافی طلب کرتے ہیں۔ درمیانی شب خواص کی خلوت کے لیے خاص ہے اور سحر کا وقت عام ہے کہ اس میں تمام قصے پیش کیے جاتے ہیں اور ان پر مہر لگادی جاتی ہے جس کا اندازہ ان کی حاجتوں کے پورا ہونے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص محبین کے ساتھ میدان ریاضت میں دوڑ لگانے سے عاجز ہو تو کم از کم اس بات سے تو عاجز نہ بنے کہ گناہگاروں کے ساتھ توبہ واستغفار میں ہی شریک ہو جائے۔ تائبین کے صحیفے دراصل ان کے رخسار ہیں، اور ان کے آنسوان کی روشنائی ہیں'۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب خوفِ خدا رکھنے والوں کی آنکھیں بہتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے آنسوؤں کے ساتھ ان کا عمل لکھ لیتا ہے۔ دمِ سحر جو پیغامات اُٹھائے جاتے ہیں ان کی آسمانوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ پھر ان کا جواب اَسرار ورموز کی صورت میں دیا جاتا ہے جن کا فرشتوں کو بھی پتا نہیں ہوتا۔ بزبانِ شاعر ؎

صحائفنا إشارتنا   وأكثر رسلنا الحرق

لأن الكتب قد تقرأ   بغير الدمع لا تثق

یعنی ہمارے پیغامات ہمارے اِشارات ہوا کرتے ہیں۔ اور ہمارے اکثر پیغام رسانوں کے حق میں جلنا لکھ دیا گیا ہے۔ کیوں کہ خطوط جب پڑھے جاتے ہیں تو بغیر آنسوؤں کے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

اس طرح قصے اور احوال پیش ہوتے رہتے ہیں اور ضرورت مندوں کی قضاے حاجات پر مہر لگائی جاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ ہمارا پروردگار ہر شب (اپنی شان کے مطابق) آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرماتے ہوئے پوچھتا ہے: ہے کوئی توبہ

کرنے والا جس کی توبہ میں قبول کرلوں۔ ہے کوئی اپنے گناہوں سے معافی مانگنے والا جس کے گناہوں کو میں بخش دوں۔ ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا کو قبولیت سے نواز دوں، اس طرح ربانی صدائیں لگتی رہتی ہیں حتیٰ کہ سپیدۂ سحر طلوع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات رات کے آخری حصے کی عبادت کو اوّل حصے سے زیادہ لائق فضیلت و ترجیح گردانتے ہیں۔ بقولِ شاعر؎

نحن الذين إذا أتانا سائل　　نوليه إحسانا وحسن تكرم

ونقول في الأسحار هل من تائب　　مستغفر لينال خير المغنم

یعنی ہم ہی وہ ہیں کہ جب ہمارے پاس کوئی مانگنے والا آتا ہے تو ہم اس پر اِحسان کرکے عزت کے ساتھ رخصت کر دیتے ہیں۔ اور جب وقت سحر ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں: ہے کوئی توبہ کرنے والا، اور مغفرت چاہنے والا تاکہ اس کو بہترین غنیمت سے نوازا جائے۔

دشمن کے خلاف لڑائی میں جو بھی شریک ہوتا ہے مالِ غنیمت سے حصہ پاتا ہے۔ چنانچہ جب لشکر کے سپہ سالاروں، دادِ شجاعت دینے والے بہادروں اور گھوڑ سواروں کو حصہ ملتا ہے تو ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے والوں، کرایہ پر لڑنے والوں اور بچوں کا بھی حصہ لگتا ہے۔

یوں ہی جب اَجر و ثواب کی فجر طلوع ہوتی ہے تو یہ عبادت گزار بندے بھی غنیمت سمیٹنے میں لگ جاتے ہیں اور غالب آتے ہوئے کامیاب ہو جاتے ہیں جس طرح کہ رات کو سفر پر نکلنے والے سرِ صبح پلٹ آنے پر خوش ہو جاتے ہیں اور اللہ کا شکر اَدا کرتے ہیں؛ لیکن جو لوگ غفلت کی نیند میں کھوئے پڑے رہتے ہیں ان کو اس بات کی خبر تک نہیں ہوتی کہ ان شب بیداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔

ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رات میں قیام کیا کرتے تھے۔ لیکن جیسے ہی سحری کا وقت آتا وہ بلند آواز سے پکار کر کہنے لگتے: اے سوارو! رات کا آخری حصہ آ پہنچا

ہے، کیا ساری رات اسی طرح بے خبر سوتے پڑے رہوگے، کیا بیدار ہوکر کوچ نہیں کروگے۔

چنانچہ جب لوگ ان کی آواز کو سنتے تو اپنے بستروں کو چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوتے، اور پھر یہ حال ہوتا کہ کوئی یہاں بیٹھا رو رہا ہے، کوئی وہاں بیٹھا دعا مانگ رہا ہے، کوئی تلاوت میں منہمک ہے تو کوئی وضو میں مشغول ہے، پھر جب فجر طلوع ہوجاتی تو وہ بزرگ بلند آواز سے پکار کر کہتے کہ رات کو چلنے والے صبح کے وقت حمد الٰہی بجالاتے ہیں۔

یا نفس قومي فقد نام الوریٰ إن تصنعي الخير فذو العرش يری

وأنت يا عين دعي عنک الكری عند الصباح يحمد القوم السری

یعنی اے نفس! اَب تو قیام کے لیے تیار ہوجا؛ کیوں کہ دنیا سوچکی ہے۔ اگر تو کوئی نیکی کرے گا تو عرش والا پروردگار اس کو ضرور دیکھ لے گا۔ اور اے آنکھ! خود سے نیند کے خمار کو دور کر کہ صبح کے وقت رات کو چلنے والے حمد بیان کرتے ہیں۔

اے شب بیداروں! سونے والوں کے حق میں دعا کرو۔ اے زندہ دل لوگو! مردہ دلوں پر رحم کرو۔

قیام اللیل کی توفیق کیوں نہیں ملتی: کسی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ ہمیں رات میں قیام کی توفیق نہیں ملتی۔ فرمایا: تمھیں تمھارے گناہ بٹھائے رکھتے ہیں۔ یہی سوال حضرت حسن بصری سے بھی کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تمھاری خطاؤں نے تم سے توفیق قیام چھین لی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ جب تجھے رات کے قیام اور دن کے روزے پر قدرت نہ ملے تو سمجھ لینا کہ تمھارے گناہوں نے بیڑی ڈال کر تمھیں محروم کردیا ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے رات کے قیام سے محرومی لکھ دی جاتی ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے ایک گناہ کیا تو اس کا خمیازہ یہ ملا کہ چھ ماہ تک شب بیداری کی نعمت سے محروم رہا۔

بادشاہ ایسے لوگوں کو اپنی مصاحبت کا اہل نہیں بناتے جو بادشاہ کے مخالف ہوں بلکہ وہ لوگ قابل مصاحبت ہوتے ہیں جو بادشاہ کے معاملات میں کھرے اوراس سے محبت کرنے میں مخلص ہوں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر رات میں یہ پکارتے ہیں: اے فلاں! تو اُٹھ اور قیام کر لے اور اے فلاں! تو سو یا رہ۔ ایک بزرگ انتہائی سرد رات میں نماز کے لیے کھڑے ہوئے، لباس بھی بوسیدہ تھا، چنانچہ انھیں ٹھنڈ لگ گئی اور وہ رونے لگے۔ اچانک ایک پکارنے والے نے کہا: ہم ہی نے تم کو نماز کے لیے کھڑا کیا تھا اور تیرے علاوہ باقی لوگوں کو سلائے رکھا تھا، پھر تو ہم پر آنسو بہاتا ہے۔

یا حسنهم و الليل قد جنهم	و نورهم يفوق نور الأنجم
ترنموا بالذكر في ليلهم	فعيشهم قد طاب بالترنم
قلوبهم للذكر قد تفرغت	دموعهم كلؤلؤ منظم
أسحارهم بهم لهم قد أشرقت	وخلع الغفران خير القسم

یعنی اُن کے حسن و جمال کا کیا پوچھنا خصوصاً جب رات کی تیرگی بڑھ جائے، شب دیجور میں بھی اُن کا حسن ستاروں کی تابانی کو ماند دے دیتا ہے۔ راتوں کو خوش نغمگی کے ساتھ ذکر واذکار کرو کہ ترنم کے ساتھ شب بیداری بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے دل ذکر وفکر کے لیے ہمیشہ فارغ رہتے ہیں اور ان کے آنسو پروئے ہوئے موتی معلوم ہوتے ہیں۔ اوقاتِ سحران کے لیے روشن ہوتے ہیں اور بخشش ومغفرت میں سے ان کا بہترین حصہ ہوتا ہے۔

رات کی مثال ایک پنگھٹ کی مانند ہے۔ جس سے اہل ہمت واِرادہ اپنے اپنے ذوق ومطلب کے مطابق سیراب ہوتے ہیں۔ جس طرح لوگ الگ الگ طبیعت کے ہوتے ہیں یوں ہی ان کے اِرادے بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بالفاظِ قرآن :

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۝ (سورۂ بقرہ:۲/۶۰)

واقعتاً ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

چنانچہ ایک محبّ صادق تو اپنے محبوب سے مناجات کی لذتیں حاصل کرتا ہے۔ عذابِ الٰہی سے خوف زدہ بندہ اپنے گناہوں پر پشیماں ہوکر طلب مغفرت میں نہایت عاجزی کے ساتھ سرگرداں رہتا ہے۔ اور اُمیدورجا کا علم بردار اپنے مطلب کے سوال کرنے میں الحاح وزاری سے کام لیتا ہے جب کہ غافل مسکین کے لیے بس دعاے خیر ہی کی جاسکتی ہے کہ مولا عزوجل اس کی محرومی و کم نصیبی کو سعادت و خوش بختی میں تبدیل فرمادے۔

محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

لا تکن مثل فلان، کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل . (۱)

یعنی تو اس فلانے کی طرح نہ بن جانا، جس نے رات میں نماز پڑھنا تو شروع کیا مگر (اسے قائم نہ رکھ سکا) پھر اس نے قیام اللیل کو ترک کردیا۔

واقعہ ایک عابدۂ بصرہ کا: ایک مرتبہ مشہور عابدۂ بصرہ حضرت رابعہ (م ۱۳۵ھ) سخت بیمار پڑیں تو انھوں نے رات کے معمولاتِ عبادت کو دن میں اَدا کرنا شروع کردیا۔ لیکن تندرست ہوجانے کے بعد بھی انھوں نے اپنے معمولات بدلے نہیں، دن ہی میں عبادت کرتیں اور رات کے معمولات کو کلیتاً نظر انداز کردیا۔ ایک رات خواب میں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک نہایت ہی سرسبز وشاداب باغ میں داخل ہوئیں، جہاں ایک گھر کا دروازہ کھولا گیا جس سے ایسی روشنی پھوٹی کہ لگتا تھا ان کی آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی۔ پھر وہاں سے چند خدام انگیٹھیاں لیے نکلے جن کے چہرے موتیوں کی مانند چمک دار تھے۔

تو ان سے رابعہ بصریہ کے ہمراہ موجود ایک عورت نے پوچھا: تم لوگ کہاں کا اِرادہ رکھتے ہو؟ وہ کہنے لگے: سمندر میں فلاں آدمی شہید ہوا ہے ہم اسے خوشبو کی دھونی دینے جارہے ہیں۔ تو اس عورت نے کہا کہ کیا تم اس خاتون (رابعہ) کو دھونی نہیں دوگے، وہ

(۱) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۱۱۵۲......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۵۹......سنن نسائی: ۲۵۳/۳۔

خدام رابعہ بصریہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگے: اِس رابعہ کا اس میں جو حصہ تھا اس نے اسے ترک دیا۔ پھر اس عورت نے رابعہ کی طرف متوجہ ہوکر یہ شعر پڑھا ۔

صلاتک نور والعباد رقود ونومک ضد للصلاۃ عنید

یعنی تیری نماز ایسی حالت میں کہ جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں تیرے لیے نور ہے اور تیری نیند نماز کی ضد اور مخالف ہے۔

ترکِ تہجد کا وبال: ایک عالم کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تہجد کے وقت اُٹھا کرتے تھے۔ جب کچھ راتیں وہ نہ اُٹھ سکے تو ایک رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ دو آدمی ان کے سرہانے کھڑے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے سرگوشی کررہے ہیں کہ یہ بندہ ان لوگوں میں سے تھا جو وقت سحر استغفار کرتے ہیں؛ مگر پھر اس نے اپنا معمول ترک کردیا۔ اے بھلے بندے! تو صاحب دل ہے اَب تو اپنی حالت بدل لے۔ تیرے پاس اللہ کے لیے جو وقت ہوا کرتا تھا اب وہ رخصت ہوگیا۔ مگر یاد رکھنا کہ رات میں قیام کی جو لذتیں ہیں وہ تجھے کہیں نہیں ملیں گی۔ دن کے روزوں کا جو مزہ ہے اور وصال کے راتوں کا جو لطف ہے وہ سب تجھ کو عتاب کریں گی۔

تغیرتم عنا بصحبة غیرنا
وأظهرتم الهجران ما هٰكذا كنا

وأقسمتم ألا تحولوا عن الهوىٰ
فحلتم عن العهد القديم وما حلنا

ليالي كنا نستقي من وصالكم
وقلبي إلى تلک الليالي قد حنا

یعنی غیروں کی صحبت میں پڑ کر تم نے ہم سے پہلے والی حالت بدل لی اور تم ہم سے ایسے بچھڑے کہ ایسا اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔

حالاں کہ تم نے قسم کھا کر یہ بات کہی تھی کہ تم راہِ محبت سے فرار اختیار نہ کروگے، لیکن تم نے اپنے پرانے وعدے سے پھر گئے اور ہم ابھی اسی پر قائم ہیں۔

ہمیں اب تک وہ راتیں اچھی طرح یاد ہیں جو ہم کو تمھارے وصال کے جام پلایا کرتی تھیں۔

شیطان کان میں پیشاب کب کرتا ہے: ایک بار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! فلاں شخص صبح تک پڑا سویا رہتا ہے تو آپ نے فرمایا: 'شیطان اس کے کان میں پیشاب کرگیا تھا'۔(۱)

حضرت سری سقطی (م۲۵۳ھ) فرمایا کرتے تھے: میں نے رات کے اندھیرے میں بہت سے فوائد وثمرات دیکھے ہیں۔ لہٰذا جس سے رات سے بھلائیاں فوت ہوجائیں سمجھیں بہت بڑی چیز اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ غفلت کی چادر میں لپٹے سونے والوں کو سوائے محرومی اور خسارے کے اور کیا مل سکتا ہے!۔

ایک بزرگ رات میں اُٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک شب ایسا ہوا کہ آنکھ نہ کھلی اور سوئے رہ گئے۔ ایک آنے والا ان کے خواب میں آکر کہتا ہے: اُٹھیے اور نماز پڑھیے۔ پھر کہنے لگا: کیا آپ کو پتا نہیں کہ بہشت کی چابیاں شب بیداروں کے پاس ہیں اور وہ جنت کے خزانچی ہیں۔

یوں ہی ایک دوسرے بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ انھیں بھی شب بیداری کی عادت تھی؛ مگر ایک رات وہ کسی باعث اٹھنے سے رہے، تو خواب میں ایک شخص آکر کہنے لگا: آپ کو کیا ہوا کہ آج آپ نے پیغام دینے (اور منگنی کرنے) میں کوتاہی کردی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تہجد گزار جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ 'منگنی کرنے والا اپنی منگنی کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے'۔

ایک مردِ صالح نے بہشت کی ایک حور کو خواب میں دیکھ کر اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو اس نے کہا: میرے رب کو پیغام بھیجوادو، اور میرا مہر اَدا کردو۔ مردِ صالح نے پوچھا

(۱) صحیح بخاری، رقم حدیث:۱۱۴۴......صحیح مسلم، رقم حدیث:۷۷۴......سنن ابن ماجہ:۱۳۳۰۔

کہ تیرا مہر کیا ہے؟ کہنے لگی: تہجد میں لمبا قیام۔

حضرت ابوسلیمان دارانی ایک رات سوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حور ان کے خواب میں آئی اور کہنے لگی: اے ابوسلیمان! آپ سوئے رہے ہیں اور میں آپ کے لیے پانچ سو سال سے پردوں میں چھپا کر تیار کی جا رہی ہوں۔

ایک بزرگ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے تیس ختم قرآن مہر کے بدلے ایک حور کا سودا کرلیا؛ لیکن ابھی تیس ختم قرآن نہیں ہو پائے تھے کہ ایک رات ان کی نیند لگ گئی اور وہ بے خبر سو گئے۔ خواب میں ایک حور کو دیکھتے ہیں جو ان سے شعر کے انداز میں کہہ رہی ہے ؎

أ تخطب مثلي وعني تنام
ونوم المحبيين عن حرام

لأنا خلقنا لكل امرئ
كثير الصلاة برأه الصيام

یعنی آپ مجھ جیسی کو منگنی کے لیے منتخب کرتے ہیں اور مجھی سی غافل ہو کر سو گئے حالاں کہ محبت کرنے والوں پر مجھے چھوڑ کر سونا حرام ہے۔ کیوں کہ ہماری تخلیق ہر اُس آدمی کے لیے ہوئی ہے جو بکثرت نمازیں پڑھے اور روزوں کے ذریعہ اس کی طہارت وصفائی ہو چکی ہو۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے فرماتے: چلو اُٹھو نماز پڑھ لو۔(۱)

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص رات میں بیدار ہو اور اپنی اہلیہ کو بھی جگائے، پھر دونوں دو رکعتیں پڑھ لیں تو ان دونوں کو ایسے ذاکرین وذاکرات میں لکھ دیا جاتا ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرتے ہیں۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۱۱۲۷...... صحیح مسلم، رقم حدیث: ۷۷۵...... سنن نسائی: ۳/۲۰۵۔

(۲) سنن ابوداوٗد، رقم حدیث: ۱۳۰۹...... سنن ابن ماجہ، رقم حدیث: ۱۳۳۵۔

حضرت حبیب عجمی (م۱۴۰ھ) کی اہلیہ انھیں رات میں بیدار کر کے کہتی تھیں: ذرا دیکھیے کہ کتنی رات گزر گئی، اور ہمیں ایک طویل سفر در کار ہے، ہمارا زادِ راہ بہت تھوڑا ہے۔ نیکو کاروں کے قافلے ہم سے آگے چلے گئے اور ہم پیچھے چھوٹ گئے۔ بقولِ شاعر ؎

یا راقد الليل كم ترقد

قم يا حبيبي قد دنا الموعد

وخـد من الليل و أوقاته

وردا إذا ما هجع الرقد

من نام حتى ينقضي ليلة

لم يبلغ المنزل أو يجهد

قل لأولي الألباب أهل التقى

قنطرة العرض لكم موعد

یعنی اے چادرِ غفلت تانے سونے والے! کب تک سوتا رہے گا۔ اُٹھ جاؤ پیارے! دیکھو وعدے کا وقت قریب آ پہنچا۔

رات کے قیمتی اَوقات میں سے جب کہ لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں، کچھ وقت اوراد و وظائف کے لیے نکال لو۔

جو شخص رات بھر سوتا رہے، وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا، اسے چاہیے کہ پوری جد و جہد کر کے۔

اہلِ تقویٰ وخرد سے کہہ دے کہ قیامت کے دن پل سے (صحیح سالم) گزرنے کا تم سے وعدہ ہے۔

دوسری مجلس

یومِ عاشورا کے بارے میں

صحیحین میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یومِ عاشورا کے روزے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یومِ عاشورا اور رمضان المبارک کے علاوہ کسی اور دن کے بارے میں کہ جس کی فضیلت دوسرے دنوں پر ہو بیان کرتے نہیں دیکھا۔(۱)

عاشورا کا دن اپنے اندر بڑی اہمیت وفضیلت رکھتا ہے۔اس کی حرمت وعظمت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔اس کا روزہ اپنی فضیلت کی وجہ سے انبیاے کرام کے درمیان معروف ومشہور تھا۔حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے جیسا کہ ہم اس کی تفصیل آگے لکھنے ہی والے ہیں۔

حضرت ابراہیم ہجری، ابوعیاض (عمرو بن اسود عنسی) سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یوم عاشوراء کانت تصومه الأنبیاء فصوموه أنتم .(۲)

یعنی عاشورا کے دن انبیاے کرام روزے رکھا کرتے تھے تو تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔

(۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۰۶......صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۳۲......سنن نسائی: ۲۰۴/۴۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۱/۲ حدیث: ۹۳۵۵۔

حضرت بقی بن مخلد (۲۷۶ھ) اپنی مسند میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اہل کتاب عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، یوں ہی قریش کا بھی ایام جاہلیت میں یومِ عاشورا کا روزہ رکھنے کا معمول تھا۔

حضرت دلہم بن صالح کندی نے حضرت عکرمہ بن عبداللہ سے پوچھا کہ یومِ عاشورا کا کیا معاملہ ہے؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ قریش نے جاہلیت میں کچھ گناہ کیے تھے جسے وہ اپنے دل میں بہت بڑا تصور کرتے تھے۔ جب انھوں نے اپنی توبہ کے بارے میں (اہل علم سے) دریافت کیا تو انھیں ہدایت کی گئی کہ محرم کی دس تاریخ یعنی یومِ عاشورا کا روزہ رکھو۔

عاشورا کا روزہ اور ہمارے آقا ﷺ کا عمل: عاشورا کا روزہ رکھنے کے تعلق سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار حالتیں تھیں۔

حالت اوّل: پہلی حالت یہ تھی کہ جب آپ مکہ معظّمہ میں تھے تو یومِ عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے؛ لیکن آپ نے صحابہ کو اس کے رکھنے کا حکم نہیں دیا۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ عاشورا کا روزہ جاہلیت کے دنوں میں قریش رکھا کرتے تھے، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ آپ بھی روزہ رکھتے۔ لیکن جب ہجرت فرما کر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے، تب بھی آپ نے عاشورا کے روزے کا معمول برقرار رکھا (فرق بس اِتنا ہوا کہ) یہاں آپ نے صحابہ کو بھی اس کے رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض قرار دیے گئے تو آپ صرف رمضان ہی کا روزہ رکھنے لگے، عاشورا کا روزہ ترک فرما دیا۔ پھر یہ ہوگیا کہ جو چاہتا عاشورا کا روزہ رکھ لیتا اور جو نہیں چاہتا نہیں رکھتا۔(۱)

صحیح بخاری میں ایک روایت یوں آئی ہے کہ رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرما دیا تھا: ’جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے اِفطار کرلے‘۔

---

(۱) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۲۰۰۲......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۲۵۔

حالت دوم: دوسری حالت یہ ہے کہ جب سرکارابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے اہل کتاب کو عاشورا کے دن کی بڑی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا، نیز یہ بھی کہ وہ اس دن روزہ رکھتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ ایسی چیزوں کے بارے میں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہ ہوا ہوتا تھا آپ کو اہل کتاب کی موافقت پسند تھی؛ چنانچہ آپ نے بھی ان کی موافقت میں اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا بلکہ اس دن کا روزہ رکھنے کی خصوصی تاکید فرمائی، یہاں تک کہ اہل اسلام اپنے بچوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھوانے لگے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مدینہ کو مشرف کیا تو آپ نے یہودیوں کو عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔آپ نے ان سے پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کس لیے رکھتے ہو؟۔

کہنے لگے کہ یہی وہ عظیم الشان دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات بخشی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق آب فرمایا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ بطورِ شکرانہ رکھا تو ہم بھی ان کی اتباع میں آج کا روزہ رکھتے ہیں۔

یہ سن کر پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: 'ہم حضرت موسیٰ کے بارے میں تم سے زیادہ حق دار و لائق ہیں'۔ چنانچہ آپ نے عاشورا کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔(۱)

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہود کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزار ہوا، دیکھا کہ وہ

(۱) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۲۰۰۴......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۰۔

یومِ عاشورا کا روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ پوچھا تو وہ کہنے لگے: یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے بچایا اور فرعون کو غرق و ہلاک کیا۔ اور اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ سے لگی۔ چنانچہ اس دن حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تھا۔ یہ سن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ کی نسبت میں زیادہ حق دار ہوں کہ اس دن کا روزہ رکھو۔ پھر آپ نے صحابہ کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم عنایت فرمایا۔(۱)

صحیحین میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو اسلم کے ایک آدمی کو لوگوں میں اِعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو کھانا کھا چکا ہے وہ دن کا بقیہ حصہ روزے سے گزارے (یعنی بقیہ دن کچھ نہ کھائے) اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ رکھ لے؛ کیوں کہ آج کا دن عاشورا کا دن ہے۔(۲)

صحیحین ہی میں حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے قریب انصار کی ایک بستی میں عاشورا کی صبح پیغام بھیجوایا کہ جس شخص نے روزے کی حالت میں صبح کی ہے وہ اپنے روزے کو پورا کرے اور جو شخص بغیر روزے کے ہے اسے چاہیے کہ دن کے بقیہ حصے میں کچھ نہ کھائے پیے۔(۳)

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دن کے بعد سے عاشورا کے دن کا روزہ رکھنے کا ہمارا معمول بن گیا۔ اور ہم اپنے بچوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھواتی تھیں۔ (طریقہ یہ تھا کہ) ہم مسجد چلی جاتی تھیں اور بچوں کو کھیلنے کے لیے اون کی گڑیا دے دیتیں۔ جب کوئی بچہ کھانے کے لیے روتا تو ہم اس کو کھیلنے کے لیے وہ گڑیا پیش کر دیتیں یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۵۹/۲۔
(۲) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۲۰۰۷......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۵۔
(۳) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۱۹۶۰......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۶۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب وہ ہم سے کھانا مانگتے تو ہم ان کو وہ گڑیا دے دیتیں، وہ گڑیا سے کھیلنے میں مشغول ہو جاتے اور اس طرح ان کا یہ روزہ مکمل ہو جاتا۔(۱)

اس تعلق سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔

امام طبرانی نے ایک مجہول روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاشورا کے دن اپنے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے دودھ پیتے بچوں کو اپنے پاس بلواتے، ان کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالتے اور ان کی ماؤں سے فرماتے کہ ان کو شام تک دودھ نہ پلانا۔(اللہ کی شان کہ) آپ کا لعابِ مبارک ہی ان کو بھوک سے کفایت کر جاتا تھا۔

اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ عاشورا کا روزہ ماہِ رمضان کی فرضیت سے پہلے واجب تھا یا سنت موکدہ۔ چنانچہ اس تعلق سے دو قول ملتے ہیں :

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ) کا مذہب یہ ہے کہ یہ اس وقت واجب تھا، امام احمد اور ابو بکر اَثرم (م ۲۶۱ھ) کے اقوال سے بھی یہی ظاہر ہے۔

جب کہ امام شافعی علیہ الرحمہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ یہ تاکیدی طور پر مستحب روزہ تھا۔ یہی ہمارے بہت سے اصحاب وغیرہ کا بھی قول ہے۔

حالت سوم: تیسری حالت یہ ہے کہ جب ماہِ رمضان کے روزے فرض قرار دے دیے گئے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو عاشورا کے دن روزہ رکھنے کا حکم اور اس کی تاکید ترک فرما دی۔ اس تعلق سے اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے (کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے)۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورا کا روزہ خود بھی رکھا اور دوسروں کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشورا کا روزہ چھوڑ دیا۔(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۶۔ (۲) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۱۸۹۲۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عاشورا کے دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے، اِلا یہ کہ ان کے روزہ رکھنے کا دن عاشورا کا دن ہی پڑ جائے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جاہلیت کے لوگ عاشورا کا روزہ رکھتے تھے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام صیامِ رمضان کی فرضیت سے قبل تو اس دن کا روزہ رکھتے تھے؛ لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ 'عاشورا بھی اللہ کے دنوں میں سے ایک دن ہے، سو جو روزہ رکھنا چاہے رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے'۔

انھیں سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'تم میں سے جو کوئی عاشورا کا روزہ رکھنا چاہے تو رکھ لے اور نہ چاہے تو نہ رکھے'۔(۱)

صحیحین ہی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا :

هٰذا يوم عاشوراء، ولم يكتب الله عليكم صيامه، وأنا صائم فمن شاء فليصم، ومن شاء فليفطر .(۲)

یعنی یہ عاشورا کا دن ہے۔ اس کا روزہ اللہ نے تمھارے اوپر فرض نہیں کیا؛ لیکن میں روزے سے ہوں۔ لہٰذا جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے نہ رکھے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس حدیث کے آخر کے مرفوع ہونے کی تصریح ہے جب کہ سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ اس حدیث کا آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے مدرج ہے، اور مرفوع نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۲۶۔

(۲) صحیح بخاری، رقم حدیث: ۲۰۰۳...... صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۲۹۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے یومِ عاشورا کی بابت فرمایا: 'یہ وہ دن ہے کہ رمضان کی فرضیت سے قبل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب ماہِ رمضان کے روزے فرض قرار دیے گئے تو آپ نے عاشورا کا روزہ ترک کر دیا'۔(۱)

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں عاشورا کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے، اس دن کے روزے کی ہمیں ترغیب دیتے تھے اور ہم سے اس دن کا روزہ رکھنے کا عہد لیتے تھے، لیکن رمضان کے روزے فرض ہو جانے کے بعد نہ آپ عاشورا کے روزے کا ہمیں حکم فرماتے، نہ منع کرتے اور نہ ہم سے اس کے بارے میں کوئی عہد لیتے۔(۲)

امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نزولِ رمضان سے پہلے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یومِ عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن نزولِ رمضان کے بعد نہ تو عاشورا کا حکم کیا اور نہ ہی اس سے منع فرمایا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ 'لیکن ہم عاشورا کا روزہ رکھتے تھے'۔(۳)

ان ساری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد یومِ عاشورا کے روزے کے بارے میں کوئی نیا حکم نہیں دیا بلکہ صحابۂ کرام کو روزہ نہ رکھنے کی کوئی ممانعت کیے بغیر اُسی معمول پر چھوڑ دیا جس پر وہ پہلے تھے۔

---

(۱) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۲۷۔
(۲) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۲۸۔
(۳) مسند احمد بن حنبل: ۴۲۲/۳ ...... سنن نسائی، رقم حدیث: ۲۵۰۶۔

ایک شبہہ اوراس کا جواب: اگر عاشورا کے روزہ کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے قبل وجوب کے لیے تھا تو اب سوال یہ ہے کہ اس وجوب کے منسوخ ہونے کے بعد عاشورا کے روزے کا اِستحباب باقی رہے گا یانہیں۔

اس سلسلے میں اہل علم کی مختلف آرا ہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ تاکید تو باقی نہ رہی لیکن اصل استحباب باقی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اس دن کا روزہ رکھتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ عاشورا کے روزے کا استحباب بھی جاتا رہا۔ چنانچہ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد عاشورا کا روزہ نہیں رکھا۔ یہ روایت انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔اور مرسل زیادہ صحیح روایت ہے جسے دارقطنی میں ذکر کیا گیا ہے۔تاہم اکثر اہل علم بغیر تاکید کے عاشورا کے روزے کے استحباب کے قائل ہیں۔

عاشورا کے دن روزہ رکھنے والے صحابہ کے اَسما یہ ہیں: حضرت عمر، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوموسیٰ اشعری، قیس بن سعد، اور عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔ عاشورا کے روزے کے استحباب کو باقی رکھنے والی بات دراصل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ 'میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی دن کا روزہ رکھتے نہیں دیکھا کہ جس کی فضیلت آپ دوسرے دنوں پر مقدم رکھتے ہوں سوائے یومِ عاشورا اور ماہِ رمضان کے روزوں کے'۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خدمت رسالت میں تاحیات رہے، نیز وہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری احکامات کو بھی اچھی طرح جاننے والوں میں سے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت اَبوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے تاجدارِ

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عاشورا کے روزہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله .(۱)

یعنی میں اس روزے کے تعلق سے اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ اسے گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بنادے گا۔

اس شخص نے نبی کریم رووف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوم عاشورا کے نفلی روزے کی بابت دریافت کیا تھا؛ کیوں کہ پھر اس نے صومِ یومِ عرفہ کے بارے میں بھی پوچھا تھا، یوں ہی ہمیشہ روزہ دار رہنے، ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے، نیز دو دن چھوڑ کر روزہ رکھنے کے تعلق سے بھی سوال کیا تھا؛ لہٰذا واضح ہو گیا کہ اس نے نفلی روزے کے بارے میں ہی سوال کیا تھا۔

امام احمد، اور نسائی نے اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یومِ عاشورا، عشرۂ ذی الحجہ اور ہر مہینے کے تین روزے کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔(۲)

یہی روایت سنن ابوداؤد میں بھی آئی ہے؛ لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نام ذکر نہیں کیا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ یکے از ازواجِ مطہرات سے یہ روایت ہے۔(۳)

حالت چہارم: چوتھی حالت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں اس بات کا عزمِ مصمم فرمالیا تھا کہ وہ (عاشورا کا) اکیلا روزہ نہیں رکھیں گے بلکہ عاشورا کے ساتھ ایک دن اور ملائیں گے تا کہ اس دن کا روزہ رکھنے میں اہل کتاب سے امتیاز ہو جائے۔

---

(۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۶۲......سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۷۵۲۔

(۲) مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۲۸۷......سنن نسائی: ۴/ ۲۲۰۔

(۳) سنن ابوداؤد، رقم حدیث: ۲۴۳۷۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورا کا روزہ رکھا اور ہمیں اس کے رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عاشورا ایسا دن ہے کہ یہود و نصاریٰ اس کی بہت عزت و تکریم کرتے ہیں۔ تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابھی اگلا سال آیا بھی نہ تھا کہ پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔(۱)

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'اگر میں آئندہ سال تک باحیات رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا'۔(۲)

امام طبرانی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے؛ مگر اس میں اتنا اضافہ ہے کہ 'اگر میں آئندہ سال تک-ان شاء اللہ- باقی رہا تو نویں محرم کا روزہ رکھوں گا تا کہ عاشورا کا روزہ مجھ سے فوت نہ ہونے پائے'۔(۳)

صومِ عاشورا اور مخالفتِ یہود: مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! یوم عاشورا کا روزہ رکھو اور یہود کی (یوں) مخالفت کرو کہ عاشورا سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ 'ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھو'۔(۴)

---

(۱) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۴...... سنن ابوداؤد، رقم حدیث: ۲۴۴۵۔

(۲) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۴۔ (۳) معجم کبیر طبرانی: ۱۰/ ۴۰۱۔

(۴) مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۴۱...... مجمع الزوائد: ۳/ ۱۸۸۔

بعد والی روایت میں کلمہ 'أو' یا تو اِختیار دینے کے لیے ہے یا راوی نے اپنا شک ذکر کیا ہے۔

یہ حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہوئی ہے۔ مثلاً یوں کہ 'اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو عاشورا سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد روزہ رکھنے کا حکم دوں گا'۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ 'اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دوں گا اور عاشورا سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد روزہ رکھنے کا حکم دوں گا'۔

ان دونوں روایتوں کو حافظ ابوموسیٰ مدینی (م ۵۸۱ھ) نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت ابن جریج سے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں صحیح ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھے عطا نے خبر دی ہے، انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عاشورا کے دن کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ یہود کی مخالفت کرو اور نویں دسویں محرم کا روزہ رکھو۔(۱)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرا مذہب وموقف یہی ہے۔

عاشورا کا روزہ دو دن: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے تھے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں عاشورا نہ فوت ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام شعبہ سے ابن ابی ذئب روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس (کا عالم یہ تھا کہ وہ) حالت سفر میں بھی عاشورا کا روزہ نہیں چھوڑتے تھے، اور دو دن کا پے درپے رکھتے تھے تا کہ عاشورا فوت نہ ہونے پائے۔

اسی طرح ابواسحٰق کے تعلق سے بھی مروی ہے کہ وہ یوم عاشورا کا روزہ اس طرح رکھا کرتے تھے کہ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھ لیتے اور فرماتے تھے کہ میں ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ کہیں مجھ سے عاشورا نہ فوت ہو جائے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۴/۲۸۷۔

یوں ہی حضرت ابن سیرین کے بارے میں آتا ہے کہ جب کبھی محرم کے نئے چاند کے متعلق اختلاف ہوتا تو آپ عاشورا کا روزہ ملا کر تین روزے رکھ لیا کرتے تھے۔

بعض کے نزدیک نویں محرم عاشورا ہے: حضرت عبداللہ بن عباس اور ضحاک سے مروی ایک روایت میں آتا ہے کہ یومِ عاشورا نویں محرم الحرام ہے۔ جب کہ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ اس میں تو کسی بھی امام کا اختلاف نہیں کہ عاشورا دسویں محرم ہے بجز ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ عاشورا نویں محرم ہے۔

میمونی کی روایت میں امام احمد بن حنبل کا ایک قول ہے کہ 'میں نہیں جانتا کہ عاشورا نویں محرم ہے یا دسویں؛ لیکن ہم دونوں دنوں کا روزہ رکھتے ہیں، اور اگر محرم کے چاند میں اختلاف واقع ہو جائے تو احتیاطاً تین دن کا روزہ رکھ لیتے ہیں'۔ یہی بات ابن سیرین سے بھی منقول ہے۔

نویں اور دسویں کا روزہ رکھنے والوں میں امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا نام آتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے عاشورا کا اکیلا روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

عاشورا سال میں کبھی بھی ہوسکتا ہے!: امام طبرانی نے ابن ابی زناد سے، وہ اپنے والد خارجہ بن زید سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ یومِ عاشورا وہ دن نہیں ہے جس کو لوگ عاشورا کہتے ہیں بلکہ یومِ عاشورا دراصل وہ دن ہے جس دن خانۂ کعبہ کو غلاف پہنایا گیا اور حبشیوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دف بجا کر گیت گائے، اور یہ عاشورا سال کے مختلف دنوں میں دائر رہتا ہے۔ چنانچہ لوگ ایک یہودی سے عاشورا کا دن پوچھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ جب وہ یہودی مر گیا تو لوگ حضرت زید بن ثابت سے عاشورا کی بابت پوچھنے لگے۔

اس روایت سے اس بات کی طرف اِشارہ ہو رہا ہے کہ عاشورا محرم میں نہیں ہوتا بلکہ شمسی سال کے حساب سے اس کا حساب کیا جاتا ہے جیسا کہ اہل کتاب حساب کرتے تھے۔

لیکن اَمرِ واقعہ یہ ہے کہ یہ بات عاشورا کے تعلق سے مسلمانوں کے قدیم اور جدید عمل کے بالکل خلاف ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محرم کے چاند سے دن شمار کیا کرتے تھے۔ جب نویں محرم آتی تو آپ روزہ رکھتے۔ (۱)

جہاں تک رہی بات مذکورہ بالا روایت ابن ابی زناد کی تو اُصول یہ ہے کہ جس میں وہ منفرد ہوں، وہ روایت قابل عمل نہیں ہوتی۔ ہر چند کہ انھوں نے یہ حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہے؛ لیکن اس حدیث کا آخر حضرت زید کا قول معلوم نہیں ہوتا، شاید یہ قول کسی اور کا ہے۔ واللہ اعلم

سلف صالحین میں بیشتر کا معمول یہی رہا کہ وہ حالت سفر میں بھی عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں میں ابن عباس، ابواسحٰق سبیعی اور زہری کا نام آتا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ رمضان کے روزے (چھوٹ جانے کی صورت میں) دوسرے دنوں میں پورے کیے جاسکتے ہیں؛ لیکن عاشورا گیا تو گیا۔ یوں ہی امام احمد بھی سفر کی حالت میں روزۂ عاشورا رکھا کرتے تھے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی کتاب (مصنف) میں اسرائیل سے، انھوں نے سماک بن حرب سے، انھوں نے معبد قریشی سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظّمہ کے قریب 'قدید' نامی ایک جگہ پر تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک شخص ظاہر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا آج عاشورا کے دن تو نے کوئی چیز کھائی ہے؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں بجز اس کے کہ تھوڑا پانی پی لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جب تک سورج غروب نہ ہو کوئی چیز نہ کھانا اور جو لوگ تمھارے پیچھے ہیں ان کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دینا۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۳۔

(۲) مصنف عبدالرزاق: ۲۸۶/۴...... مجمع الزوائد: ۱۸۷/۳۔

اس روایت سے گمان ہوتا ہے کہ شاید جن لوگوں کو روزۂ عاشورا کا حکم ملا وہ بس قدید والے لوگ تھے۔ اور اسی سند کے ساتھ حضرت طاؤس کے بارے میں آیا ہے کہ وہ مقیم ہونے کی حالت میں روزۂ عاشورا رکھا کرتے تھے؛ لیکن سفر کی حالت میں نہیں۔

کیا بہائم بھی روزۂ عاشورا رکھتے ہیں: عاشورا کے تعلق سے سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت افزا بات یہ ملتی ہے کہ اس دن وحشی جانور اور شیر بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔

ایک مرفوع روایت میں ہے کہ سب سے پہلے عاشورا کا روزہ جس پرندے نے رکھا وہ گوریا سے کچھ بڑا ایک پرندہ تھا، جسے عربی میں 'صُرَد' کہا جاتا ہے۔☆

خطیب بغدادی نے اسے اپنی 'تاریخ' میں ذکر کیا ہے، حالاں کہ اس کی اسناد غریب ہے۔ یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی آئی ہے۔

حضرت فتح بن شخرف (م۲۷۳ھ) کے بارے میں آتا ہے کہ وہ روزانہ روٹیوں کو چورہ چورہ کرکے چونٹیوں کو ڈالا کرتے تھے؛ لیکن جس دن عاشورا ہوتا، اس دن چیونٹیاں وہ روٹیاں نہیں کھاتی تھیں۔

اسی قسم کا واقعہ عباسی خلیفہ قادر باللہ کو بھی پیش آیا تو اس کو نہایت تعجب ہوا۔ اس نے اس کا ذکر ابوالحسن قزوینی سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں! عاشورا کے دن چیونٹیاں بھی روزہ رکھتی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ مدینی نے اپنی سند سے قیس بن عباد سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جنگلی جانور بھی عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں۔

واقعہ جنگلی جانوروں کے روزہ رکھنے کا: چنانچہ اس تعلق سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص عاشورا کے دن ایک بستی میں گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ لوگ جانور ذبح کررہے

☆ اس پرندے کا سر اور چونچ موٹا ہوتا ہے، داڑھیں لمبی ہوتی ہیں، آدھی سفید آدھی کالی۔ حدیث میں جن چار پرندوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے ان میں ایک پرندہ 'صرد' بھی ہے۔

ہیں۔ اس نے پوچھا کہ جانور کیوں ذبح کیے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آج جنگلی جانوروں کا روزہ ہے۔ اگر تم ان کی افطاری کا منظر دیکھنا چاہو تو ہمارے ساتھ چلو۔

چنانچہ وہ لوگ اس کو ایک باغ میں لے کر گئے اور وہاں اس کو کھڑا کر دیا۔ (ذبح کیے ہوئے جانور بھی وہی رکھ دیے) عصر کے بعد چاروں طرف سے جنگلی جانور آ کر اِردگرد جمع ہونا شروع ہو گئے اور اس باغ کا اِحاطہ کر لیا۔ ان سب کے منہ آسمان کی طرف اُٹھے ہوئے تھے (جیسے محو دعا ہوں) جتنے بھی ذبح شدہ جانور پڑے تھے، کسی نے انھیں چکھا تک نہیں، جیسے ہی سورج غروب ہوا، جنگلی جانور تیزی سے گوشت پر جھپٹے اور سب صاف کر گئے۔

اسی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہندستان اور چین کے درمیان ایک مقام ہے جہاں پیتل کے ستون پر پیتل ہی کا بنا ایک بطخ رکھا ہوا تھا۔ جب عاشورا کا دن آتا تو وہ اپنی چونچ پھیلاتا جس سے پانی بہنے لگتا اور اس قدر پانی بہتا کہ لوگوں کو ان کی کھیتی باڑی اور مویشیوں تک کے لیے کافی ہو جاتا۔ نیز لوگ اس پانی کو اگلے سال عاشورا تک کے لیے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتے تھے۔

علماے سلف میں سے ایک عالم کو کسی نے خواب میں دیکھ کر ان کی حالت وخیریت دریافت کی۔ انھوں نے کہا: ساٹھ سال تک عاشورا کا روزہ رکھنا میری بخشش کا بہانہ بن گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا روزہ بھی اس میں شامل تھا۔

حضرت عبدالوہاب خفاف (م۲۰۴ھ) کتاب الصیام میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت سعید نے کہا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بتایا جاتا ہے کہ اگر کسی آدمی سے مالِ زکوٰۃ کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو عاشورا کا روزہ اس کا کفارہ بن جاتا ہے۔

عاشورا اہل یہود کے لیے یومِ عید تھا: روایتوں میں آتا ہے کہ اُس 'یومِ زینت' کو بھی عاشورا ہی تھا جس میں کہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان وعدۂ مقابلہ تھا، اور یہ ان لوگوں کی عید کا دن تھا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دن کتان کا پوشاک پہنتے اور سرمۂ اِثمد آنکھوں میں لگاتے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سعادت مہد میں مدینہ اور خیبر کے یہودی اس دن عید منایا کرتے۔ اور اہل جاہلیت بھی ان لوگوں کی دیکھا دیکھی عید مناتے اور اس دن خانۂ کعبہ کو غلاف چڑھایا کرتے تھے۔

لیکن شریعت محمدیہ نے اس کی کوئی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یومِ عاشورا کو یہودی اس کی تعظیم کرتے اور اس دن کو عید کی طرح مناتے؛ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہمارے لیے بس یہی تھی کہ تم لوگ اس دن کا روزہ رکھو۔(۱)

نیز صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اہل خیبر یومِ عاشورا کو روزہ رکھا کرتے، اس دن عید مناتے اور اپنی عورتوں کو دیدہ زیب زیور وملبوسات سے آراستہ کرتے؛ لیکن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لیے بس اتنا فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھا کرو۔(۲)

سنن نسائی اور صحیح ابن حبان کی روایت میں آتا ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم یہود کی مخالفت کرو اور اس دن کا روزہ رکھا کرو۔(۳)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کو عید بنا لینا منع ہے (کیوں کہ یہودی اس کو عید بناتے تھے) اور مشرکین کی عیدوں کے دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عاشورا کے دن روزہ رکھ لینا خود عید بنانے کی نفی کر دیتا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ عاشورا کے دن کے ساتھ ساتھ ایک اور روزہ رکھتے تھے، جیسا کہ گزر چکا۔ اس طرح روزہ رکھنے میں یہود کی مخالفت ہے اور ان کے ساتھ کچھ بھی موافقت باقی نہیں رہتی۔

---

(۱) صحیح بخاری: ۲۴۴/۴...... صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۱۔

(۲) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۳۱۔

(۳) صحیح ابن حبان: ۲۵۵/۵۔

امام احمد، نسائی اور ابن حبان نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث ذکر کی ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتہ اور اتوار کو عام دنوں کی نسبت زیادہ روزہ رکھا کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکین کی عید کے ہیں۔ اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں ان کی مخالفت کروں۔(۱)

کیوں کہ جب دونوں روزے اکٹھے رکھے جائیں تو ایسا کرنے میں آدمی یہود و نصاریٰ دونوں کی مشابہت سے نکل جاتا ہے کہ اس میں کسی جماعت کی کسی دن کے بارے میں تعظیمی طور پر انفرادیت باقی نہیں رہتی۔ اور عاشورا کے دن روزہ رکھنے میں یہود کی مخالفت ہے کہ وہ اس دن کو عید کے طور پر مناتے تھے۔

ان احادیث کو جمع کرنے سے اس حدیث کی اور اس حدیث کی وضاحت ہوگئی جس میں خالی ہفتہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ باقی وہ تمام روایتیں جن میں عاشورا کے دن سرمہ لگانے، خضاب لگانے اور غسل کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے سب موضوع اور غیر صحیح ہیں۔

عاشورا کے دن کا صدقہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس نے عاشورا کا روزہ رکھا، اس نے گویا پورے سال کا روزہ رکھا اور جس نے عاشورا کے دن صدقہ کیا تو گویا یہ پورے سال صدقہ کرنے کی طرح ہے۔ اس روایت کو ابوموسیٰ مدینی نے بھی ذکر کیا ہے۔

عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت وفراخی: حضرت فقیہ حرب کرمانی (م ۲۸۰ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے اس حدیث کی بابت دریافت کیا جس میں یہ آیا ہے کہ 'جس نے اپنے اہل وعیال پر عاشورا کے دن وسعت وفراخی کی'۔ تو انھوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۲۴/۶ ...... صحیح ابن حبان: ۲۵۱/۵، ۲۶۲۔

حضرت ابن منصور بہرام (م ۲۵۱ھ) کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس حدیث کے بارے میں سنا ہے جس میں ہے کہ 'جو شخص اپنے اہل وعیال پر عاشورا کے دن کشادگی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر سارا سال وسعت رکھتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا: ہاں۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے جعفر اَحمر (م ۱۶۷ھ) سے، انھوں نے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے- جو کہ اپنے زمانے معروف افاضل میں تھے- روایت کی ہے کہ انھیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جو شخص عاشورا کے دن اپنے گھر والوں پر وسعت وفراخی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال خوش حالی فرماتا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت ابن عیینہ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس کو پچاس یا ساٹھ سال سے لگاتار آزمارہے ہیں، تو ہم نے سوائے خیر ووسعت کے اور کچھ نہ دیکھا۔

رہی بات فقیہ حرب کرمانی کے اس قول کی کہ امام احمد نے اس حدیث کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا تو ان کی مراد یہ تھی کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ جو مرفوعاً سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہو؛ کیوں کہ جو حدیث مرفوع ہے اس کی سند درست نہیں ہے، وہ حدیث متعدد طرق سے روایت کی گئی ہے؛ لیکن کوئی طریق بھی صحیح نہیں؛ چنانچہ اسی تعلق سے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم (م ۲۸۶ھ) فرماتے ہیں اور عقیلی نے بھی لکھا ہے کہ 'یہ حدیث غیر محفوظ ہے'۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اس کی سند بھی مجہول ہے۔

عاشورا میں ماتم کرنا کیسا: حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سانحہ شہادت کی وجہ سے رافضیوں نے اس دن کو نوحہ وماتم کا دن بنالیا ہے۔ حالاں کہ ایسا کرنے والے درحقیقت دنیا میں اپنی کوششوں کو ضائع وبرباد کررہے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیا علیہم السلام کے مصائب کے ایام اور ان کی وفات کے دنوں کو ماتم کا دن بنانے کا حکم نہیں دیا تو بھلا ان سے کم درجے کے بزرگوں کی وفات کے دن کو ماتم کا دن بنانا کہاں کا انصاف اور قرین قیاس ہے!۔

یومِ عاشورا کے فضائل

(فضائل عاشورا میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ) یومِ عاشورا ایک ایسا دن ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کچھ لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ امام ترمذی سے مروی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: ’اگر تو رمضان کے بعد کسی مہینے کا روزہ رکھنا چاہتا ہے تو محرم کا رکھ لیا کر؛ کیوں کہ اس میں ایک ایسا دن ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی، باقی دوسروں کی بھی توبہ قبول فرمائے گا‘۔(۱)

ایک صحیح حدیث میں ابواسحٰق سبیعی (م ۱۲۹ھ) اسود بن یزید (م ۷۵ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر (م ۶۸ھ) سے یومِ عاشورا کے روزے کی بابت سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ محرم اللہ تعالیٰ کا اصم (بہرا) مہینہ ہے، اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی گئی؛ لہٰذا جب بھی وہ دن آئے اور تم روزہ رکھ سکتے ہو تو ضرور روزہ رکھ لینا۔

اسی طرح سے حضرت شعبہ اور ابواسحٰق سے بھی مروی ہے۔ حضرت اسرائیل ہمدانی (م ۱۶۰ھ) ابواسحٰق سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک قوم نے کچھ گناہوں کا اِرتکاب کیا تو انھوں نے عاشورا کے دن توبہ کی اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ لہٰذا اگر تمھیں اللہ تعالیٰ عاشورا کے دن روزہ رکھنے کی توفیق دے تو ضرور روزہ رکھ لینا۔

حضرت یونس‘ ابواسحٰق سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محرم اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے اور وہ سال کا پہلا مہینہ اور انتہائی اہم ہے۔ اس میں کتابیں لکھی جاتی ہیں، تاریخیں

---

(۱) سنن ترمذی، رقم حدیث: ۷۴۱......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۱۶۳۔

مرتب ہوتی ہیں، درہم ڈھالے جاتے ہیں۔ محرم ہی میں ایک ایسا دن ہے جس میں ایک قوم توبہ کرتی ہے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ لہٰذا یہ دن تمھاری زندگی میں کبھی اس طرح نہ گزرنے پائے کہ تم روزہ دار نہ ہو۔ یعنی عاشورہ کا دن۔

ابو موسیٰ مدینی نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؛ لہٰذا تم اس دن (یعنی عاشورا) کو نماز وعبادت اور روزہ رکھنے کا دن بنالو۔ نیز کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، اور جس طرح کہا اس طرح ہے نہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ یومِ عاشورا وہ دن ہے جس میں قومِ یونس علیہ السلام کی توبہ قبول کی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ عاشورا وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت وہب سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنی قوم کو اس بات کا حکم دیں کہ وہ محرم کے پہلے عشرے میں میرا قرب حاصل کریں، پھر جس دن دسویں محرم ہو تو میری طرف رجوع کریں تا کہ میں ان کی مغفرت کردوں۔

عبدالرزاق نے ابن جریج سے انھوں نے ایک آدمی سے انھوں نے عکرمہ سے روایت کی کہ فرماتے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی وہ عاشورا کا دن تھا۔(۱)

عبدالوہاب خفاف' سعید سے اور وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم یہ باتیں کیا کرتے تھے کہ یوم عاشورا ہی وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام زمین کی طرف اُتارے گئے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۲۹۱/۴۔

حضرت علی سے مروی حدیث میں جو فرمانِ رسول مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے تو اس کا مقصد دراصل لوگوں کو یوم عاشورا میں توبۃ النصوح کی تجدید پر اُبھارنا ہے۔مزید برآں لوگوں میں یہ اُمید پیدا کرنی ہے کہ جو شخص اس دن کے اندر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ اللہ جل مجدہ قبول فرمالیتا ہے جیسا کہ ان لوگوں سے پہلے اللہ نے اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمائی۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمانِ رب العزت ہے :

فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ، اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۳۷)

پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے (عاجزی ومعافی کے) چند کلمات سیکھ لیے، پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

پھر پروردگار نے حضرت آدم اوران کی زوجہ کے بارے میں خبر دی کہ انھوں نے ان کلمات کے ذریعہ توبہ کی :

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا، وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ (سورۂ اَعراف:۷/۲۳)

دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم (نہ) فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زیرِ سلطنت شہروں میں خطوط بھجوائے، جن میں لکھا: وہی کہو جو تمھارے باپ آدم علیہ السلام نے کہا تھا :

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا، وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ (سورۂ اَعراف:۷/۲۳)

دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم (نہ) فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اور وہی کہو جو حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا:

وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (سورۂ ہود:۱۱/۴۷)

اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم (نہ) فرمائے گا (تو) میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اور وہی کہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ۝ (سورۂ قصص:۲۸/۱۶)

(موسیٰ علیہ السلام) عرض کرنے لگے: اے میرے رب! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھے معاف فرما دے۔

اور وہی کہو جس طرح کہ ذوالنون علیہ السلام نے کہا تھا:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (سورۂ انبیا:۲۱/۸۷)

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بیشک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔

نادم کی توبہ مقبول: جب کوئی گنہ گار ندامت وافسوس کے ساتھ اپنے گناہ کا اِقرار کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، یہ پروردگار عالم کا اِرشاد ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّآخَرَ سَيِّئاً عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۝ (سورۂ توبہ:۹/۱۰۲)

اور دوسرے وہ لوگ کہ (جنہوں نے) اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے انہوں

نے کچھ نیک عمل اور دوسرے برے کاموں کو (غلطی سے) ملا جلا دیا ہے، قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے۔

اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے :

إن العبد إذا اعترف بذنبه ثم تاب تاب اللّٰه عليه .(١)

یعنی جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

نیز نماز کے لیے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے تو پہلے یہ دعا فرماتے تھے :

اللّٰهم أنت ربي لا إله إلا أنت ظلمت نفسي واعترفت بذنبي فاغفر لي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت .(٢)

یعنی اے اللہ! تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ مجھے اپنے گناہ کا اقرار ہے؛ لہٰذا میری مغفرت فرمادے؛ کیوں کہ تیرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرسکتا۔

(یہ ایک طویل دعا کا حصہ ہے، پوری دعا صحیح مسلم میں موجود ہے)۔

نیز اس دعا میں بھی ہے جسے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یارِ غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سکھلایا تھا، وہ اپنی نماز (کے آخر) میں کہا کرتے تھے :

اللهم إني ظلمت نفسي ظلما كثيرا ولا يغفر الذنوب إلا أنت فاغفرلي مغفرة من عندک وارحمني إنک أنت الغفورالرحيم.(٣)

---

(١) صحیح بخاری: ۲۵۵/۵......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۲۷۷۰۔

(٢) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۷۷۱......سنن ترمذی، رقم حدیث: ۳۴۲۷۔

(٣) صحیح بخاری: ۳۱۷/۲......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۲۷۰۵۔

یعنی اے اللہ! میں نے بلاشبہ اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے، اور تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا، تو میری مغفرت فرما دے اور رحم کر دے۔ بے شک تو ہی بڑا بخشنے والا حد درجہ مہربان ہے۔

حضرت شداد بن اوس کی روایت میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے 'سید الاستغفار' یوں منقول ہے :

اللّٰھم أنت ربي لا إلٰه إلا أنت خلقتني وأنا عبدک وأنا علیٰ عھدک ووعدک ما استطعت، أعوذ بک من شر ما صنعت، أبوء بنعمتک علي، وأبوء بذنبي، فاغفرلي، إنه لا یغفر الذنوب إلا أنت . (۱)

یعنی اے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا اور میرا تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد اور تیرے وعدے پر اپنی کوشش کے مطابق قائم ہوں۔ جو کچھ میں نے کیا اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔تو نے جو نعمتیں مجھ پر کی ہیں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں؛ لہٰذا میری مغفرت فرما دے؛ کیوں کہ تیرے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخش دے!۔

عربی کا معروف محاورہ ہے :

الاعتراف یمحو الاقتراف .

یعنی اعتراف' برائی کو صاف کر دیتا ہے۔ بقولِ شاعر ؎

فإن اعتراف المرء یمحو اقترافه   کما أن إنکار الذنوب ذنوب

یعنی بندے کا اعترافِ جرم کرلینا اس کی برائی مٹانے کے لیے کافی ہے، جیسا کہ گناہوں سے اِنکار خود بھی ایک گناہ ہے۔

(۱) صحیح بخاری: ۱۱/۹۷...... سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۹۰...... سنن نسائی: ۸/۲۷۹۔

حضرت آدم، جنت اور دنیا: جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اُتارا گیا تو وہ اس صدمے پر- جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے- تین سو سال تک روتے رہے۔ اور یقیناً انھیں اس پر رونے کا حق تھا۔ کیوں کہ وہ ایک ایسے گھر میں سکونت پذیر تھے جس میں نہ بھوک کا اِحساس تھا اور نہ پیاس کا خیال، نہ ہی انھیں سورج کی گرمی پہنچتی تھی۔ لیکن جب زمین پر اُتارے گئے تو ان تمام چیزوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جب حضرت آدم نے زمین پر جبرئیل علیہ السلام کی صورت دیکھی تو ان کو دیکھتے ہی وہ عہد یاد آ گیا، جس سے ان کے رونے کی شدت مزید بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ اور بھیگی پلکوں کے ساتھ عرض گزار ہوئے: اے آدم! یہ گریہ وزاری کیسی ہے؟ حضرت آدم نے فرمایا: میں بھلا کیوں نہ روتا کہ مجھے دارِ نعمت و رحمت سے دارِ زحمت و مشقت میں منتقل کر دیا گیا۔

آپ کے ایک بیٹے نے کہا کہ زمین والوں کو آپ کے رونے سے اذیت پہنچ رہی ہے۔ فرمانے لگے کہ عرش بریں کے اِرد گرد جو فرشتے ہیں ان کی آوازوں (کا خیال کرکے) رونا آ رہا ہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: میں اپنے پروردگار کے پڑوس سے محرومی پر گریہ کناں ہوں۔ کیوں کہ میں ایسے گھر میں قیام پذیر تھا جس کی مٹی پاکیزہ تھی، اور جہاں فرشتوں کی آوازیں سنا کرتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں ایسے گھر (کے چھوٹ جانے) پر روتا ہوں کہ اگر تو اس کو دیکھ لیتا تو اس کے شوق میں تیری جان نکل جاتی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ہم آسمانی نسلوں میں سے ایک نسل ہیں۔ انھیں کی تخلیق کی طرح ہماری تخلیق ہوئی، اور انھیں کے ساتھ ہمیں غذا فراہم کی گئی۔ پھر ہمارے دشمن ابلیس نے ہمیں اپنے دامِ تزویر میں پھنسا دیا۔ لہٰذا اب ہمارے لیے

رنج وغم برداشت کرنے کے سوا کوئی راحت ومسرت نہیں، حتیٰ کہ ہم پھر دوبارہ اسی گھر کی طرف لوٹا دیے جائیں جہاں سے ہم کو نکالا گیا تھا۔ایک شاعر نے خوب خیال باندھا ہے ؎

فحي على جنات عدن فإنها منازلک الأولیٰ وفیها المخیم

و لکننا سبي العدو فهل تری نعود إلی أوطاننا و نسلم

یعنی جناتِ عدن کی طرف آنے میں جلدی کرو؛ کیوں وہیں تمھاری پہلی منزلیں اور وہیں تمھارے خیمہ نصب ہیں۔لیکن شومئ قسمت سے ہم دشمن کے جال میں پھنس گئے۔ پھر بھلا ہم اپنے وطنوں کی طرف کیسے لوٹ پائیں گے اور (دامِ عدو سے) محفوظ رہنے کی صورت کیا ہوگی !۔

جب حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کی باہمی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ نے انھیں عتاب کیا کہ آپ نے خود کو بھی جنت سے نکالا اور اپنی آنے والی ذریت کو بھی ۔تو آدم علیہ السلام نے نوشتہ الٰہی کا حوالہ پیش کیا، اور مصائب پر تقدیر سے حجت لانا درست بتایا۔جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر تمھیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہو کہ ’اگر میں ایسا کرتا تو ایسا نہ ہوتا؛ بلکہ یہ کہو کہ یہ اللہ کا لکھا تھا اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے‘۔(١)

و اللّٰه لو لا سابق الأقدار لم تبعد قط دارکم عن داري

من قبل النأي جربة المقدار هل یمحو العبد ما قضاه الباري

یعنی خداوند قدوس کی قسم! اگر تقدیر پہلے سے لکھی نہ گئی ہوتی، تو تمھارے مکانات کبھی ہمارے مکان سے دور نہ ہوتے۔ ہر بندے کو تقدیر کے مطابق ہی ملا کرتا ہے،اور بندہ کبھی قضاے الٰہی کو ٹال یا بدل نہیں سکتا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کے فضائل ومناقب مخلوق پر ظاہر ہوگئے کہ فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا، ان پر ہر شے کی حقیقت ظاہر کردی گئی اور انھوں نے فرشتوں کو ان کی خبر بھی دے دی،اور فرشتے حضرت آدم سے ایسے ہی سماع کررہے تھے جیسے ایک متعلم اپنے استاد

(١) صحیح مسلم، رقم حدیث:٢٦٦٤۔

سے سنتا ہے، یہاں تک کہ ان کے علم کے سامنے فرشتوں نے سپر ڈال دی اور ان کے فضل وکمال کا اِعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ پھر حضرت آدم اور ان کی اہلیہ کو جنت کی مستقل رہایش مل گئی، تو یہ سب کچھ دیکھ کر ابلیس حسد کی آگ میں جلنے لگا اور حضرت آدم کو تکلیف واذیت سے دوچار کرنے میں کوئی کمی روا نہ رکھی۔ اور اصول یہ ہے کہ جب کسی کے فضائل بڑھتے چلے جاتے ہیں تو حاسدین کا حسد بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ؎

لا مات حسادک بل خلدوا　　حتی یروا منک الذي یکمد

لا زلت محسودا علی نعمة　　فإنما الکامل من یحسد

یعنی خدا کرے تیرے حاسد کبھی نہ مریں، جگ جگ جئیں تاکہ تیرے حق میں وہ اس چیز کو دیکھ لیں جو ان کے غم میں اِضافہ کردے۔ تجھ سے نعمتوں کی بنیاد پر حسد کیا جاتا رہے گا؛ کیوں کہ کامل وہی ہے جس سے حسد کیا جائے۔

بہر کیف! ابلیس برابر اسی تاک میں لگا رہا کہ کسی طرح حضرت آدم کو جنت سے نکالا جائے؛ لیکن وہ کم بخت یہ نہیں سمجھ سکا کہ جب حضرت آدم جنت سے نکل جائیں گے تو ان کی فضیلت کامل ہوجائے گی اور جب وہ دوبارہ جنت کی طرف لوٹ کر جائیں گے تو ان کی فضیلت پہلی والی حالت سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہوگی!۔

ابلیس کو دراصل اس کی خود پسندی نے معرضِ ہلاکت میں ڈالا۔ اس نے کہا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں جب کہ آدم علیہ السلام نے اپنی کوتاہی کا اِعتراف کرلیا تو ان کی فضیلت عیاں ہوگئی۔ انھوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

ابلیس کی یہ حالت تھی کہ جب بھی اس کے حسد کی آگ بھڑکتی تو اس سے حضرت آدم کی خوشبو اور مہک چھوٹتی، جس سے ابلیس حسد کی آگ میں مزید جلنے لگتا۔ کسی شاعر نے پتے کی بات کہی ہے ؎

وإذا أراد اللہ نشر فضیلة　　طویت أناح لھا لسان حسود

لولا اشتعال النار فیما جاورت　　ما کان یعرف طیب عرف العود

یعنی جب اللہ کسی کی مخفی فضیلت وصلاحیت کو اجاگر کرنا چاہے تو اس کے لیے حاسد کی زبان کو پہلے صیقل کر دیتا ہے۔ اگر آگ اپنے اِرد گرد کی چیزوں کو نہ جلاتی تو بھلا عود کی خوشبو کیسے پہچانی جاتی !۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کو ایک کوتاہی کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا اور تمھاری حالت یہ ہے کہ تم رات دن گناہ کیے جا رہے ہو، اور اللہ کی ذات سے پُر امید ہو کہ وہ تمھیں جنت میں داخل فرما دے گا۔ بقولِ شاعر ؎

تصل الذنوب إلى الذنوب وترتجي — درج الجنان بها وفوز العابد

و نسيت أن الله أخرج آدما — منها إلى الدنيا بذنب واحد

یعنی تو پے در پے گناہ کیے جا رہا ہے اور امید رکھتا ہے کہ تجھے جنت کے محلات اور عابدوں کے سے درجات ملیں گے۔ حالاں کہ تو بھول گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو صرف ایک قصور کی بنیاد پر جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا تھا۔

آگے کہتا ہے ؎

بفرد خطيئة وبفرد ذنب — من الجنات أخرجت البرايا

فقل لي كيف ترجو في دخول — إليها بالألوف من الخطايا

یعنی ایک خطا اور لغزش کی وجہ سے نیک لوگوں کو جنت سے نکال دیا گیا۔ تو مجھے بتاؤ کہ ہزاروں خطاؤں کے ہوتے ہوئے تم کس منہ سے جنت میں داخل ہونے کی تمنا و آرزو رکھتے ہو!۔

اپنے اَزلی دشمن کو پہچانو! لوگو! اس دشمن سے بچو جس نے تمھارے بابا آدم کو جنت سے نکلوایا، اور اب اس کوشش میں ہے کہ تم کو کسی طرح سے واپس جنت میں نہ لوٹنے دے۔ یاد رکھنا ہے کہ تمھارے اور اس کے درمیان دشمنی بڑی پرانی ہے؛ کیوں کہ اس کا جنت سے نکلنا اور خدمت سے دور ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ اس نے تمھارے والد کے سامنے اپنی بڑائی ظاہر کی تھی اور جب اس کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا تو اس نے انکار کر دیا تھا جس کی

پاداش میں اسے رحمت سے محروم کردیا گیا اور جنت میں اس کی واپسی کا بھی کوئی امکان نہیں رہا، اس کا جہنم میں رہنا یقینی ہے۔ چنانچہ اب وہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اولادِ آدم کو بھی ہمیشہ کے لیے جہنم میں اپنا ساتھی بنالے۔

وہ شرک کو مزین کرکے دکھلاتا ہے۔ اگر اس میں اسے کامیابی نہ ملے تو اس سے کم درجے کی چیز فسق وفجور اور گناہوں میں انسان کو پھنسا دیتا ہے۔ مگر یاد رکھنا کہ تمھارے مالک ومولیٰ نے تمھیں اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اور جو کسی کو خبردار کردے تو پھر وہ معذور اور بری ہوجاتا ہے؛ لہٰذا تم بہرصورت شیطان سے بچو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يٰبَنِيٓ آدَمَ لاَ يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ o

(سورۂ اعراف: ۷/۲۷)

اے اولادِ آدم! (کہیں) تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کے جنت سے نکال کا سبب بنا۔

حیرت ہے اس شخص پر جسے رب کی معرفت حاصل ہو اور پھر بھی وہ اس کی نافرمانی کرے۔ اور یوں ہی اس پر بھی بالائے حیرت ہے کہ جو شیطان کا حال جانتا ہے، پھر بھی اس کی باتوں پر کان دھرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے۔ فرمانِ رب العزت ہے :

أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلاًo (سورۂ کہف: ۱۸/۵۰)

یا تم اس کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر دوست بنارہے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، یہ ظالموں کے لیے کیا ہی برا بدل ہے (جو انہوں نے میری جگہ منتخب کیا ہے)۔

رعی اللہ من نهوی وإن کان ما رعی   حفظنا له العهد القدیم فضیعا
وصاحبت قوما کنت أنهاک عنهم   وحقک ما أبقیت للصلح موضعا

یعنی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے جس سے ہم محبت کرتے ہیں، اگرچہ وہ ہماری پروا نہیں کرتا۔ ہم نے اس سے جو عہد کیا تھا اسے قائم رکھا؛ لیکن اس نے

ہمارے عہد کی پروانہ کی۔ اور تو نے ایسے لوگوں کی سنگت اختیار کر لی جن سے ہم نے تمھیں منع کیا تھا۔ حالاں کہ اس پر میرا حق یہ تھا کہ جب تک وہ زندہ رہتا صلح کو قائم رکھتا۔

جب حضرت آدم کو دنیا کی طرف بھیجا گیا تو ان سے عہد بھی لیا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کو جو آپ کی اولاد میں سے ایمان لے آئیں اور رسول کا اِتباع کریں جنت کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔ قرآن کی شہادت ہے :

يٰبَنِيٓ آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيٰتِي فَمَنِ اتَّقٰى وَأَصْلَحَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ o (سورۂ اَعراف:۷/۳۵)

اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیتیں بیان کریں، پس جو پرہیز گار بن گیا اور اس نے (اپنی) اِصلاح کر لی تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ (ہی) وہ رنجیدہ ہوں گے۔

جنت تو ہے میراث مسلمانوں کی: اہل ایمان کو جنت کی بشارت ہے کہ جنت ان کی میراث ہے۔ اس میراث کا منشور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا۔ اِرشاد فرمایا گیا :

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۵)

اور (اے حبیب!) آپ ان لوگوں کو خوش خبری سنا دیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے (بہشت کے) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

یاد رہے کہ یہ میراث اس آدمی کے حصے سے منہا کر دی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری سے گریزاں ہو۔ پھر جو شخص توبہ کر کے ایمان لے آئے تو یہ میراث اس کو دے دی

جائے گی۔ اہل ایمان کا اس دنیا میں قیام سفر جہاد کی طرح ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنی خواہشات سے جہاد کرتے ہیں۔ جب یہ سفر جہاد پورا ہو جائے گا تو یہ اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹ جائیں گے، جہاں یہ کبھی اپنے باپ کی صلب میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجاہد کے لیے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے کفالت کا وعدہ فرمایا ہے کہ اس کو اس کا اَجر وثواب اور غنیمت میں سے حصہ دیتے ہوئے وطن کی طرف لوٹائیں گے۔

اُمت محمدیہ کے نام حضرت اِبراہیم کا ایک اہم پیغام: اے اُمت محمدیہ! تمھیں تمھارے نبی پیغمبر آخرالزماں کے ذریعہ بھیجا ہوا تمھارے باپ ابراہیم کا ایک پیغام ملا ہوگا۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ معراج کی رات جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انھوں نے فرمایا: اے محمد! آپ میری طرف سے اپنی اُمت کو میرا سلام پہنچا دیں اور ان کو باخبر کر دیں کہ جنت کا پانی بہت میٹھا ہے اور اس کی مٹی نہایت پاکیزہ ہے؛ لیکن وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے 'سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر' ہیں۔(۱)

اَذکارِ نافعہ اور اَعمالِ صالحہ کی برکتیں: نسائی اور ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو ایک مرتبہ 'سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ' پڑھے تو اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جاتا ہے۔(۲)

ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ 'سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر' کہا تو ہر ایک کلمے کے بدلے میں جنت کے اندر اس کے لیے ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔(۳)

---

(۱) سنن ترمذی، رقم حدیث: ۳۴۵۸......عمل الیوم واللیلۃ، نسائی، رقم حدیث: ۸۲۷۔

(۲) سنن ترمذی، رقم حدیث: ۳۴۶۰......الترغیب والترہیب، منذری: ۲/۴۲۲۔

(۳) سنن ابن ماجہ، رقم حدیث: ۳۸۰۷۔

طبرانی نے حضرت ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت ذکر کی ہے اور یہی روایت ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ جو شخص 'سبحان اللہ العظیم' کہتا ہے تو جنت میں اس کے لیے ایک محل تعمیر کر دیا جاتا ہے۔(۱)

حضرت حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ فرشتے جنت میں بنی آدم کے لیے درخت لگاتے رہتے ہیں اور محل تعمیر کرتے رہتے ہیں۔ بسا اَوقات وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا ہو گیا کہ اپنے کام سے رک گئے؟۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کام اس وقت تک موقوف رہے گا جب تک ہمارے پاس ان چیزوں کا خرچہ نہ آجائے۔ تو حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اے لوگو! اُن کو خرچہ بھیجتے رہو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، تم عمل کرتے رہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی نے بتایا کہ جنت کے مکانات ذکر و اذکار سے بنائے جاتے ہیں، اگر کوئی اس سے رک جائے تو اس کے لیے جنت میں بننے والا مکانات کی تعمیر رک جاتی ہے۔ جب بنانے والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تعمیر کیوں روک دی تو کہتے ہیں کہ خرچہ آنا بند ہو گیا ہے!۔

آپ یہ سمجھیں کہ جنت ایک غیر آباد زمین کی مانند ہے، اعمالِ صالحہ اس کی آبادی ہے کہ جن کی وجہ سے وہاں محلات بنائے جاتے ہیں اور اس میں درخت لگائے جاتے ہیں۔ جب وہاں کے درخت اور مکانات سب کچھ مکمل ہو جائیں گے تو رہنے والوں کو وہاں منتقل کر دیا جائے گا۔

ایک بزرگ نے کسی کو خواب میں کہتے ہوئے سنا کہ جنت میں آپ کا گھر بن چکا ہے اور ہم کو وہاں سے فارغ ہونے کا حکم بھی مل گیا ہے، آپ کے گھر کا نام 'دار السرور' ہے۔ آپ کو وہ گھر اور وہاں کا رہنا مبارک ہو۔ اب ہم کو نیا حکم یہ ملا ہے کہ اس کی آرایش و زیبائش

(۱) مجمع الزوائد ہیثمی: ۹۱/۱۰۔

شروع کردیں، جسے ہم سات دن میں مکمل کردیں گے۔ چنانچہ جیسے ہی ساتواں دن مکمل ہوا وہ بزرگ انتقال فرما گئے۔

پھر کسی نے انھیں خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں: مجھے دارالسرور میں داخل کردیا گیا ہے اور میں حالت سرور میں ہوں۔ اس میں کیا کچھ ہے اس بارے میں نہ پوچھو۔ ایسے سخی کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جب کوئی فرماں بردار اس کے پاس جاتا ہے تو اس کے فضل وعطا کی بارشیں دیکھنے لائق ہوتی ہیں!۔

یوں ہی ایک بزرگ نے دیکھا کہ گویا وہ جنت میں پہنچ گئے ہیں، ان کو ان کے محلات اور بیویاں دکھلائی گئیں۔ جب انھوں نے جنت سے نکلنا چاہا تو ان کی بیویاں ان سے لپٹ کر کہنے لگیں: اللہ کے لیے اچھے عمل کرتے رہنا۔ کیوں کہ جب بھی آپ اچھے اعمال انجام دیتے ہیں ہمارے حسن وجمال میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

جولوگ اس دارالعمل میں اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ کرکے آگے دارالجزا کے لیے بھیج رہے ہیں، کل قیامت میں انھیں دیکھ کران کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی اور وہاں انھیں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش وآرزو کریں گے۔ وقت آنے پر جب وہ جنت میں بازاروں میں داخل ہوں گے تو وہاں سے بغیر قیمت کے جو چاہیں گے حاصل کرلیں گے۔ یہ چیزیں اس مقدار کے مطابق ہوں گی جو انھوں نے اپنے مال واعمال کو قرضے کے طور پر وہاں بھیجا تھا۔ یہ چیزیں وہاں بغیر ناپ تول کے مل جائیں گی۔ لہٰذا ان چیزوں کو حاصل کرنے کی آرزو رکھنے والے کو چاہیے کہ ان پر جلدی سے اپنا قبضہ جمائے۔ قبضے میں تاخیر کبھی کبھی فسادِ معاملہ کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ بقولِ شاعر ؎

فللّٰه واديها الذي هو موعد الـ مزيد لوفد الحب لو كنت منهم

فما شئت خذ منه بلا ثمن له فقد أسلف التجار فيه وأسلموا

یعنی وہ وادی بڑی قابل تعریف ہے جو مزید کے وعدے میں شامل ہے ان لوگوں کے لیے جو اہل محبت ہیں۔ کاش تو اس میں شامل ہوجائے۔ لہٰذا جا چاہے

بغیر قیمت کے وہاں سے حاصل کرلے کہ مسلمان تاجروں نے یہ چیزیں اپنے لیے پہلے سے وہاں بھجوادی ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت خود بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہوتی ہے: اے پروردگار! جو لوگ میرے پاس آنا چاہتے ہیں انھیں میرے پاس بھیج دے، جن کا تو نے مجھ سے وعدہ لے رکھا ہے۔ میرے اندر ریشم، استبرق، موتیوں، مرجان اور زبرجد کی کثرت ہوگئی ہے، میرے اندر سونا، چاندی، لوٹے اور شراب، شہد اور دودھ کی بہتات ہوگئی ہے؛ لہٰذا جو میرے اہل ہیں اور جن کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے انھیں میرے پاس بھیج دے۔

ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ جو شخص اللہ سے جنت کا طلب گار رہتا ہے تو جنت اس کی سفارش کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوتی ہے: اے پروردگار! اس کو جنت میں داخل فرمادے۔(۱)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جنت روزانہ صبح سویرے کھولی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اہل جنت کے لیے اپنی خوشبو کو زیادہ کر تو وہ اپنی خوشبو بڑھا دیتی ہے۔ چنانچہ ہر روز صبح سویرے جو ہم خنکی اور ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں وہ دراصل جنت کی ٹھنڈک کا اَثر ہوتا ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عارفین حق کے دل اس دنیا ہی میں جنت کی خوشبو پا لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ اُحد کے موقع فرمارہے تھے: واہ واہ! جنت کی خوشبو کے کیا کہنے۔ خدا کی قسم جنت کی خوشبو کو میں اُحد پہاڑ کی طرف سے آتے محسوس کررہا ہوں۔ پھر آگے بڑھے اور کفار سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ بقولِ شاعر ؎

تمر الصبا صفحا بساكن ذی الغضا و يصدع قلبي أن يهب هبوبها
فريبة عهد بالحبيب و إنما هوى كل نفس حيث حل حبيبها

(۱) سنن ترمذی، رقم حدیث: ۲۵۷۵...... سنن نسائی: ۲۷۹/۸۔

یعنی نسیم سحر باشندگانِ غضا (نجد) سے اعراض کرتے ہوئے چلتی ہے تو میرا دل
اس کے چلنے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ محبوب سے ملن کے دن قریب آ رہے
ہیں اور ہر نفس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اس کا محبوب مل جائے۔

حضرت آدم کو زمین پر اُتارنے کی حکمتیں: حضرت آدم علیہ السلام کو جو اس دنیا میں بھیجا گیا تو اس میں اللہ رب العزت کی بڑی حکمتیں اور اَسرار پوشیدہ ہیں۔ اگر وہ دنیا میں نہ آتے تو مجاہدین کا جہاد ظاہر نہ ہو پاتا، عبادت گزاروں کی عبادتیں دکھائی نہ دیتیں، جدو جہد کرنے والوں کی کوششیں نظر نہ آتیں، توبہ کرنے والوں کے سانسوں کی حرارتیں بلند نہ ہوتیں، اہل معصیت کے آنسوؤں کے قطرے نہ گرتے۔

اے آدم! اگر تجھے دار القرب سے اُتار دیا گیا تو کیا ہوا میں تو ابھی بھی قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ اگر جنت سے نکلنے پر تو رنجیدہ خاطر ہے تو میں تو شکستہ دلوں ہی کے قریب رہتا ہوں۔ اگر تجھ سے آسمان میں رہنے والوں کی تسبیح کی بلند آوازیں چھوٹ گئیں تو کیا ہوا میں نے تجھے اس کے بدلے میں زمین پر بسنے والے گنہ گاروں کے رونے کی آواز سنوادی۔

یاد رکھنا کہ گناہ گاروں کے رونے کی آواز ہمیں تسبیح کرنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ عزیز ہے۔ کیوں کہ تسبیح کرنے والوں کی آوازوں میں اکثر فخر و غرور کی آمیزش ہو جاتی ہے؛ لیکن گنہ گاروں کے رونے میں خلوص وانکسار ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں لے جائے گا اور تمھارے بدلے کچھ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے، پھر گناہوں سے معافی مانگیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیا کرے گا۔(۱)

پاکی ہے اس مقدس ذات کے لیے کہ جب وہ بندے کو آزمایش میں ڈالے تو اس کی مہربانی سے وہ آزمایش عطا اور بخشش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور جب کسی بندے کو قعر مذلت

(۱) صحیح مسلم، رقم حدیث: ۲۷۴۹۔

ورسوائی میں گراتا ہے تو پھر اس کی بے تکان کوششیں بھی اس کے کسی کام نہیں آتیں، انجام کار وبال وزوال ہی اس کا مقدر رہوتا ہے۔ (آدم وابلیس کا واقعہ اس کا بین ثبوت ہے)

غور فرمائیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی حجت تلقین کر دی گئی اور پروردگارِ عالم نے انھیں ایسے کلمات سکھلا دیے کہ جن کے ذریعہ کی گئی توبہ قبولیت سے ہمکنار ہوگئی :

فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۳۷)

پھر (آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے (عاجزی اور معافی کے) چند کلمات سیکھ لیے، پس اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

جب کہ ابلیس کو باوجود اس کی لمبی خدمت کے دھتکار کر نکال باہر کیا گیا، بالآخر اس کی عبادتیں بکھرے ہوئے بے وقعت غبار کی مانند ضائع اور برباد ہوگئیں۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْم وَاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ٥ (سورۂ حجر:۱۵/۳۴،۳۵)

(اللہ نے) فرمایا: تو یہاں سے نکل جا پس بیشک تو مردود (راندۂ درگاہ) ہے۔ اور بے شک تجھ پر روزِ جزا تک لعنت (پڑتی) رہے گی۔

(اُصول کی بات ہے کہ) جب مالک الملک پروردگار کسی بندے کو عدل کے ترازو میں ڈال دے تو پھر اس کی کوئی نیکی باقی نہیں رہ سکتی۔ اور جب بندے پر اپنے فضل کا سائبان فرما دے تو پھر اس کی کوئی برائی باقی نہیں رہ سکتی۔ بقولِ شاعر ؎

یعطی ویمنع من یشاء کما یشا
وھباته لیست تقارنھا الرشا

یعنی وہ جس کو چاہے اور جتنا چاہے دیتا ہے اور وہی منع بھی کرتا ہے۔ اس کی عطاو بخشش کبھی رشوت کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاسکتیں!۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ان کی علمی برتری کی وجہ سے ظاہر ہوگئی اور علم

اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے مقتضی پر عمل نہ کیا جائے، تو جب جنت میں عمل اور مجاہدہ نہیں ہوسکتا کہ وہ دار العمل نہیں ہے بلکہ دار النعیم اور دار مشاہدہ ہے؛ لہٰذا حضرت آدم کو کہہ دیا گیا کہ اے آدم! اب آپ جہاد کے لیے دنیا میں اُتر جائیے اور خواہشات کے لشکروں کے سامنے کوشش اور جہاد کرتے ہوئے صابر رہیے اور جدائی پر افسوس کے آنسو بہائیے، پھر گزرے ہوئے زمانے کے عیش و آرام کی طرف اکمل طریقے سے واپس آجائیے، جیسا کہ شاعر نے کہا ؂

عودوا إلی الوصل عودوا　　فالهجر صعبٌ شديدٌ

لوذاق طعم الفراق رضوی　　لكاد من وجده يميد

قد حملونی عذاب شوق　　يعجز عن حمله الحديد

قلت وقلبی أسير وجد　　متيم فی الجفا عميد

أنتم لنا فی الهوی موال　　ونحن فی أسركم عبيد

یعنی لوگو! وصل کی طرف چلو لوٹ چلو؛ کیوں کہ جدائی بہت مشکل ہے۔

اگر غم فراق کا ذائقہ رضویٰ پہاڑ چکھ لے تو قریب ہے کہ جدائی کا ذائقہ پاتے ہی بل کھا جائے۔

انھوں نے مجھ پر شوق و محبت کا ایسا عذاب ڈال دیا کہ جسے اٹھانے سے لوہا بھی عاجز ہے۔

میں نے کہا کہ میرا دل محبت کا قیدی ہے اور میں سختی میں بھی تابع دار ہوں جیسے شکستہ دل عاشق کی حالت ہوتی ہے۔

عشق و محبت کے معاملے میں تم ہمارے آقا ہو اور ہم تمھاری قید میں تمھارے غلام ہیں۔

تیسری مجلس

حجاجِ کرام کی واپسی کے تعلق سے

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا :

من حج هذا البيت ولم يرفث ولم يفسق رجع من ذنوبه كيوم ولدته أمه . (۱)

یعنی جس نے اِس بیت اللہ شریف کا حج کیا، جس میں نہ کوئی بے حیائی کی بات کی ، نہ فسق میں مبتلا ہوا تو اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوکر لوٹے گا جیسا کہ اس دن جس دن اس کی ماں نے جنا تھا۔

اِسلام کا ہر رکن گناہوں کو مٹا ڈالنے والا ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے۔ان میں سے ہر ایک گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دینے والی ہے بلکہ ان کو منہدم کر دینے والی ہے۔کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو لے لیجیے کہ یہ کلمہ نہ تو کوئی گناہ چھوڑتا ہےاور نہ کوئی عمل اس سے آگے بڑھ سکتا ہے۔اسی طرح پانچوں نمازیں جمعہ سے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ، یہ سب ان گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں ان کے درمیان صادر ہوتے ہیں، جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے اپنے کو بچاتا رہے۔صدقہ گناہوں کو ایسے بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو۔یوں ہی وہ حج کہ جس میں کوئی بے حیائی اور گناہ کی بات نہ ہو تو ایسا حج کر کے لوٹنے والا اپنے گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ اس دن گناہوں سے پاک صاف تھا جس دن اس کی ولادت ہوئی تھی۔

---

(۱) صحیح بخاری:۳۸۲/۳......صحیح مسلم، رقم حدیث: ۱۳۵۰۔

اہل علم کی ایک جماعت نے مذکورہ حدیث کے معنی قرآن پاک سے اَخذ کیے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ○ (سورۂ بقرہ:۲،۲۰۳)

پھر جس کسی نے (منی سے واپسی میں) دو ہی دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (اس میں) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ اس کے لیے ہے جو پرہیز گاری اختیار کرے۔

یعنی جو کوئی مناسک حج پورے کرکے واپس آئے تو اس کے گناہ اس سے ساقط ہو جاتے ہیں، شرط یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے اَدائے مناسک میں ڈرتا رہے، تقویٰ اختیار کرے، چاہے تو منیٰ سے وہ جلدی بارہ ذی الحجہ کو واپس آجائے اور چاہے اگلے دن تک رکا رہے۔

مسند ابو یعلی میں ہے کہ مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

جس نے مناسک حج پورے کر لیے اور اہل اسلام اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔(۱)

یوں ہی صحیحین میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

حج مبرور کی جزا سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔(۲)

صحیح مسلم میں ایک روایت یوں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حج پچھلے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، اور حج مبرور بھی سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور دخولِ جنت کا سبب بن جاتا ہے۔(۳)

---

(۱) کنز العمال، رقم الحدیث:۱۱۸۱۰......المطالب العالیہ، رقم:۱۰۷۔

(۲) صحیح بخاری، رقم الحدیث:۳/۵۹۷......صحیح مسلم، رقم الحدیث:۱۳۴۹۔

(۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث:۱۲۱......ترغیب وترہیب، منذری:۲/۱۶۳۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ’حج مبرور‘ کی بابت دریافت کیا گیا کہ حج کی نیکی کیا ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ’کھانا کھلانا اوراچھی بات کہنا‘ ۔(۱)

حج مبرور کیا ہے؟: حج مبرور دراصل وہ حج ہوتا ہے جس میں اَعمالِ صالحہ کا ذخیرہ اور گناہوں سے چھٹکارا کرلیا جاتا ہے۔ چنانچہ حاجی کو کوئی دعا اپنے لیے اسی طرح کسی دوسرے کی دعا حاجی کی ذات کے لیے اس دعا سے بڑھ کرنہیں ہے کہ وہ یہ دعا کرے یا اللہ اس حج کو مبرور بنا دے۔اس بنیاد پر ایک حاجی کے لیے یہ بات مشروع ہے کہ جب وہ اپنے اعمالِ حج سے فارغ ہوجائے اور اپنے احرام سے قربانی والے دن جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے حلال ہوجائے تو یہ دعا مانگے :

اللّٰهم اجعله حجا مبرورا، وسعيا مشكورا، وذنبا مغفورا .

یعنی اے اللہ! اس حج کو حج مبرور کردے، کوششوں کو قبول فرمالے اور گناہوں کو معاف کردے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً آئی ہے۔

اسی طرح جو شخص فریضہ حج اَدا کر کے لوٹ رہا ہے اس کو بھی یہی دعا دینا چاہیے کہ اللہ تمھیں حج مبرور کی سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے اور مناسک حج کی تکمیل فرمالی تو فرشتے ان کی بارگاہ میں حاضر ہوکر انھیں دعا دینے لگے کہ اے آدم! خدا کرے آپ کا حج، حج مبرور ہوجائے۔ہم نے بھی اس گھر کا حج آپ سے دوہزار سال پہلے کیا تھا۔

سلف صالحین کا معمول تھا کہ وہ حج سے لوٹنے والے کو یہی دعا دیا کرتے تھے۔ جب حضرت خالد الحذاء (م۱۴۱ھ) سے لوٹے تو حضرت ابوقلابہ (م۱۰۵ھ) انھیں دعاے خیر سے نوازتے ہوئے بولے: اللہ کرے کہ آپ کا عمل مبرور ومقبول ہوجائے۔

---

(۱) مستدرک حاکم: ۱/۴۸۳۔

حج مبرور کی علامتیں: حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ حج مبرور جس کی جزا جنت ہے اس کی علامتیں کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اس کی علامت یہ ہے کہ جب حاجی واپس آئے تو دنیا سے کنارہ کش رہے اور آخرت کے لیے کوشاں رہے۔ پوچھا گیا کہ حج مبرور کی جزا مغفرت ہے، اس کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ جو گناہ پہلے وہ کرتا تھا اب ان کو چھوڑ دے۔

حج مبرور کی بہترین مثال حضرت ابراہیم بن ادہم (م۱۶۱ھ) کا حج ہے، جو انھوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ اَدا کیا تھا۔ اُن کے وہ ساتھی بلخ ہی سے ان سے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے حج سے اس حال میں لوٹے کہ دنیا سے بالکل کنارہ کش تھے اور آخرت میں بھرپور رغبت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے ملک و مال، اہل وعیال، رشتے دار اور وطن ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خیر آباد کہہ دیا تھا اور اپنے لیے مسافرت پسند کر لی تھی، اپنا کھانا پینا خود اپنے ہاتھ کی کمائی کر کے کھاتے تھے یا اس کے لیے کھیتی باڑی کرتے یا باغوں کی نگہبانی۔

ابن اَدہم کے حج کی داستان: ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادہم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حج کے اِرادے سے نکلے۔ چنانچہ ابتدائے سفر ہی میں انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی بھی آدمی سوائے اللہ کی بات کے اور کوئی بات نہ کرے گا اور سوائے اللہ کی طرف توجہ کرنے کے کسی اور طرف نہیں دیکھے گا۔

الغرض! جب یہ خانۂ کعبہ پہنچے اور بیت اللہ کا طواف شروع کیا تو ایک جماعت کو دیکھا جو خراسان سے آئی تھی اور طواف میں مصروف تھی ان کے ساتھ ایک ایسا حسین و جمیل لڑکا تھا کہ لوگوں کی نظریں بار بار اس کی طرف اُٹھ کر فتنے میں پڑ رہی تھیں۔ حضرت ابراہیم اس کی طرف مسلسل دیکھتے رہے اور روتے رہے۔

آپ کے ایک ساتھی نے کہا: اے ابواسحٰق (ابراہیم)! کیا آپ نے ہم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے کے ہمیں کسی اور طرف نگاہ نہیں کرنی چاہیے۔ آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس، یہ میرا لڑکا ہے اور یہ سب میرے خدم و حشم ہیں۔ پھر یہ شعر

پڑھا۔

هجرت الخلق طرا في هواک　　وأيتمت العيال لکی أراکا

فلو قطعتني في الحب إربا　　لما حن الفؤاد إلی سواکا

یعنی میں تیری محبت میں سرمست ہو کر تمام مخلوق سے محبت سے دست کش ہو گیا اور میں نے اپنے اہل وعیال کو یتیم کر دیا تا کہ تجھ کو دیکھا کروں۔ اب اگر تو مجھ کو اپنی محبت سے کسی حیلے سے جدا کر دے تب بھی میرا دل سوائے تیرے کسی اور کے لیے نہیں تڑپے گا۔

بوسۂ سنگ اَسود کی اہمیت: ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ سنگ اَسود کے اِستلام کے بعد ہر شخص یہ طے کر لے کہ اب اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہو گا۔ ان کی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے، پس جس شخص نے اس کا استلام کیا اور اس سے مصافحہ کیا۔ تو وہ ایسا ہے گویا اس نے اپنے رب سے مصافحہ کر لیا اور اس کے دائیں ہاتھ کو چوم لیا۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حجر اسود دنیا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔ لہٰذا جسے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کا موقع میسر نہ آسکا اور اس نے رکن اسود کو چھو لیا تو گویا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کر لی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور ان سے عہد لیا تو اس عہد کو ایک باریک کاغذ پر لکھا، پھر اس کو اس پتھر میں ودیعت کر دیا، اسی وجہ سے حجر اسود کا استلام کرنے والا یہ کہتا ہے: وفاء بعهدک (تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے) گویا حجر اسود کا استلام کرنے والا اللہ جل مجدہ سے اس بات پر عہد لیتا ہے کہ آئندہ معصیت سے بچتا رہے گا اور حقوق اللہ کی اَدائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا:

فَمَنۡ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ وَمَنۡ أَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ أَجۡرًا عَظِيۡمًا ٥ (سورۂ فتح: ۴۸، ۱۰)

پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا اور جس نے (اس) بات کو پورا کیا جس (کے پورا کرنے) پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اَجر عطا فرمائے گا۔

عبد و معبود کے درمیان چند معاہدے: (اللہ فرماتا ہے) اے ہم سے توبہ پر عہد کرنے والو! ہمارے اور تمھارے درمیان کچھ پختہ اور مضبوط عہد ہیں۔

پہلا عہد : ’أَ لَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ قَالُوۡا بَلىٰ ‘ کے دن کا ہے۔یعنی (جب اللہ نے عالم اَرواح میں عہد لیتے ہوئے فرمایا تھا) کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں،تو سبھوں نے کہا تھا: ہاں، کیوں نہیں۔اس عہد کا مفاد و مقصد عظیم یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا، زندگی کے تمام اعمال اس کے مقتضی کے مطابق انجام دینا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

دوسرا عہد : جس وقت اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف اپنا رسول بھیجا اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں فرمایا :

وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ٥ (سورۂ بقرہ:۲،۴۰)

اور تم میرے (ساتھ کیا ہوا) وعدہ پورا کرو میں تمہارے (ساتھ کیا ہوا) وعدہ پورا کروں گا۔

حضرت سہل تستری (م ۲۸۳ھ) فرماتے ہیں: ’جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کر لی۔اور اب اس پر یہ حرام ہے کہ اللہ کے کسی اَمر میں ظاہراً یا باطناً اس کی مخالفت کرے۔یا اس کے دشمن سے دوستی کرے یا اس کے دوست سے دشمنی رکھے‘۔

یا بني الإسلام من علمکم   بعد إذ عاهدتم نقض العهود

کل شئ فی الهوی مستحسن   ما خلا الغدر وإخلاف الوعود

یعنی اے اِسلام کے سپوتو! تمھیں یہ کس نے سکھایا ہے کہ عہد کرنے کے بعد عہد توڑ ڈالو۔محبت میں ہر چیز اچھی مانی گئی ہے،سوائے بغاوت اور عہد شکنی کے۔

تیسرا عہد: اس حاجی سے ہے جو سنگ اَسود کا استلام کرتے ہم سے تجدید بیعت کرتا ہے اور اس کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے کہ میں سابقہ عہد کو پورا کروں گا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ٥ (سورۂ اَحزاب:۳۳،۲۳)

مؤمنوں میں سے (بہت سے) مردوں نے وہ بات سچ کر دکھائی جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔

آزاد کریم شخص کبھی بھی قدیم عہد کو نہیں توڑا کرتا۔ بقولِ شاعر ؎

أحسبتم أن الليالي غيرت　　　عقد الهوى لا كان من يتغير

يفنى الزمان وليس ننسى عهدكم　　　وعلى محبتكم أموت وأحشر

یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ راتوں نے محبت کے عقد کو تبدیل کر دیا ہے، نہیں!، کون ہے جو اس کی تبدیل کر سکے۔ زمانے گزر گئے؛ لیکن ہم نے تمھارا عہد نہیں فراموش کیا۔ تمھاری محبت پر ہی میں مروں گا اور اسی پر اُٹھایا جاؤں گا۔

جب تیرا نفس تجھ کو اپنے مالک ومولیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنے پر مائل کرے تو اسے یہ کہہ دینا ؎

مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (سورۂ یوسف:۱۲،۲۳)

اللہ کی پناہ! بیشک وہ میرا مربی ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے رکھا ہے۔ بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

ایک نیک مرد کی کسی حسین پر نظر پڑ گئی تو چاہا کہ اسے دیکھتے ہی رہیں؛ مگر فوراً اس نے اپنی نظریں ہٹالیں اور چیخ ماری۔ اس کی زبان پر یہ شعر جاری تھا ؎

حلفت بدين الحب لا خنت عهدكم　　　و ذلك عهد لو عرفت وثيق

یعنی میں نے محبت کے دین میں حلف لیا تھا کہ تم سے لیے ہوئے عہد میں کبھی خیانت کا مرتکب نہیں ہوں گا۔ اور اگر تجھے اس کا پتا ہو تو یہ بڑا پکا و پختہ عہد ہے۔

ایک مردِ صالح کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے توبہ کر کے توڑ دی، رات کی تنہائی میں کسی پکارنے والے نے شعر کے انداز میں اس کے کانوں تک یہ پیغام پہنچایا۔

سأترک ما بيني وبينک واقفا　　فإن عدت عدنا والوداد مقيم

تواصل قوما لا وفاء لعهدهم　　وتترک مثلي والحفاظ قديم

یعنی میرے اور تمھارے درمیان جو عہد تھا میں اسے چھوڑ دوں گا۔ پھر اگر تم لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے اور محبت دائمی رہے گی۔ تم نے ایسے لوگوں سے اپنا تعلق قائم کر لیا جو اپنے عہد کو پورا نہیں کرتے اور مجھ جیسے سے ترکِ تعلق کر رہے ہو جو زمانۂ قدیم سے حفاظت کرتا آرہا ہے۔

جو بار بار عہد شکنی کرے اس کا معاہدہ مضبوط اور قابل وثوق نہیں مانا جاتا۔

ہزار بار توبہ شکنی باز آ: ایک بزرگ کسی مریض کی عیادت کے لیے پہنچے۔ وہ بڑی تکلیف اور درد سے دوچار تھا۔ بزرگ نے کہا: اے بھائی! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لے، شاید وہ تجھ کو شفا دے دے اور تجھ سے درگزر فرما دے۔ مریض بولا: میں جب بھی بیمار ہوا، بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرنے کی برکت سے شفایاب ہوا اور وہ مہربان پروردگار برابر درگزر فرماتا رہا؛ لیکن اس دفعہ جب میں نے حسبِ معمولِ سابق توبہ کرنی چاہی تو ایک پکارنے والے نے گھر کے کونے سے آواز دی: 'ہم نے ہمیشہ تجھ کو شفا دی اور معاف کیا؛ مگر ہم نے تجھ کو ہمیشہ جھوٹا پایا'۔ پھر وہ مریض کچھ ہی دن بعد دنیا سے چل بسا۔ بقولِ شاعر۔

لا كان من ينقض العهد لا كان　　ما ينقض العهد إلا كل خوان

یعنی خدارا کبھی ان میں سے نہ ہونا جو عہد شکنی کرتے ہیں۔ اور عہد شکنی دراصل وہی کرتا ہے جو بڑا خائن اور مکار ہوتا ہے۔

حاجی کی زندگی کیسی ہو: جو شخص فریضہ حج اَدا کر کے لوٹے تو اسے چاہیے کہ اس نے

سنگ اسود کے استلام کے وقت اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے اس کی حفاظت کرے۔ متقدمین میں سے ایک بزرگ نے حج کیا تو اپنے قافلے کے ساتھ مکہ معظّمہ میں ہی رات گزاری۔ ان کے نفس نے ان کو نافرمانی پر اکسایا تو ایک کہنے والے کو سنا جو کہہ رہا تھا: تجھ پر افسوس! کیا تو نے حج نہیں کیا؟۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہ سے بچالیا۔

جس نے اسلام کے پانچ ستون قائم کر کے اپنے دین کو کامل کرنے کی عزت پالی تو اس کے لیے یہ بات بہت بری ہے کہ پھر وہ گناہوں کے ذریعہ اس بنائی ہوئی عمارت کو توڑ ڈالے۔ حدیث مرسل میں ہے جسے ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: 'اے فلاں! تو بناتا ہے پھر گرا دیتا ہے یعنی تو اچھے اور برے دونوں کام کرتا ہے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! اَب میں صرف بناؤں گا، گراؤں گا نہیں'۔ بقولِ شاعر

خذ في جد فقد تولى العمر　　كم ذا التفريط فقد تدانى الأمر

أقبل فعسى يقبل منك العذر　　كم تبنى كم تنقض كم ذا العذر

یعنی جتنا ہوسکے جدوجہد کرو، کیوں کہ پیمانۂ عمر لبریز ہونے والا ہے۔ کتنے کوتاہی کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کی اَجل ان کے قریب آ پہنچی۔ اُٹھو آگے بڑھو، اُمید ہے تمھارا عذر قبول کرلیا جائے گا۔ ورنہ کتنا تم بناتے، بگاڑتے اور عذر خواہی کرتے رہوگے!۔

قبولیت طاعت کی علامت: طاعت و بندگی کے قبول ہوجانے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان اس کے بعد دیگر نیکیوں میں مشغول ہوجائے۔ اور مردود کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی گناہ میں منہمک ہوجائے۔ کتنی اچھی ہے وہ نیکی جو پے در پے کی جائے۔ اور کتنی بری ہے وہ بدی جو نیکی کے بعد کی جائے۔

توبہ کے بعد گناہ کرنا توبہ سے پہلے ستر گناہوں سے بڑھ کر برا ہے۔ مرض کے بعد جو بدپرہیزی کی جاتی ہے وہ زیادہ بری مانی جاتی ہے۔ طاعت کی عزت کے بعد معصیت کی

ذلت کتنی وحشت ناک ہے۔ اس عزیز قوم پر رحم کرو جو گناہوں کے باعث ذلیل ہوگیا۔ یوں ہی وہ امیرشہر بھی قابل رحم ہے جو گناہوں کی وجہ سے مفلس وقلاش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ سے موت کے وقت تک دین پر ثبات قدمی کی دعا مانگو اور استقامت کے بعد دوبارہ گناہوں کی طرف لوٹنے سے اس کی پناہ چاہو۔

امام احمد بن حنبل یہ دعا مانگا کرتے تھے :

اللّٰهم أعزني بطاعتك ولا تُذِلّنِي بمعصيتك .

یعنی اے اللہ! اپنی طاعت کی وجہ سے مجھے عزت وسرخروئی عطا فرما اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے مجھے ذلیل مت کر۔

حضرت ابراہیم بن اَدہم یہ دعا بکثرت مانگا کرتے تھے :

اللّٰهم انقلني من ذل المعصية إلى عز الطاعة .

یعنی اے اللہ! تو مجھے معصیت کی ذلت سے نکال کر طاعت کی عزت کی طرف منتقل کردے۔

بعض آثارِ الٰہیہ میں ہے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ’میں عزیز ہوں۔ لہٰذا جو شخص عزت حاصل کرنے کا آرزومند ہے تو اسے چاہیے کہ عزیز کی اطاعت پر لگ جائے‘۔ اس تعلق سے شاعر نے کتنا خوبصورت مضمون باندھا ہے ؂

ألا إنما التقوى هي العز والكرم — وحبك للدنيا هو الذل والسقم

و ليس على عبد تقي نقيصة — إذا حقق التقوى وإن حاك أو حجم

یعنی تقویٰ ہی میں عزت وبزرگی پوشیدہ ہے۔ اور دنیا کی محبت سوائے ذلت وبیماری کے اور کچھ نہیں۔ متقی بندے پر کوئی الزام نہیں ہوتا جب کہ وہ تقویٰ کا حق اَدا کرے خفیہ یا علانیہ طور پر۔

حاجی پر انعاماتِ الٰہیہ کی بارش: اگر کسی حاجی کو ’حج مبرور‘ نصیب ہوجائے تو اس

کی مغفرت کردی جاتی ہے، نیز جس کے لیے وہ مغفرت چاہے اس کی بھی مغفرت کردی جاتی ہے۔ مزید برآں جس کے حق میں وہ شفاعت کرے وہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ عرفہ کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ حاجیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ’تم بخشے بخشائے لوٹ جاؤ، اور جس کے حق میں تم شفاعت کرو وہ بھی بخش دیا جائے گا‘۔(۱)

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک حاجی اپنے خاندان کے چار سو گھروں کی شفاعت کرے گا، اور جس اونٹ پر یہ حاجی سوار رہا، اس کی چالیس پیڑھیوں تک کی ماوں کو برکت حاصل ہو جائے گی۔ حاجی گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں اسے جنا تھا۔ جب وہ حج مبرور کرکے واپس آتا ہے تو حال یہ ہوتا ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں اور اس کی دعائیں قبول کی جا چکی ہوتی ہیں۔(۲)

لہٰذا حاجیوں سے ملاقات کرنا، انھیں سلام کرنا اور ان سے اپنی مغفرت کی دعا کرانا مستحب ہے بلکہ حاجی سے ملنا مسنون ہے۔

سفر سے واپسی کا سنت طریقہ: صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تو اپنے گھر والوں کے بچوں سے ملاقات فرماتے۔ ایک دفعہ آپ سفر سے واپس لوٹے تو مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا دیا گیا۔ آپ نے مجھے اپنے آگے سوار کرلیا، پھر حضرت فاطمہ کے ایک صاحب زادے کو لایا گیا تو اسے آپ نے اپنے پیچھے بٹھالیا، جب ہم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حال یہ تھا کہ ایک ہی جانور پر ہم تینوں سوار تھے۔(۳)

---

(۱) ترغیب وترہیب، منذری: ۲/۱۷۲۔

(۲) مجمع الزوائد: ۳/۲۱۱...... ترغیب وترہیب منذری: ۲/۱۶۶۔ (۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۴۲۸۔

شبہہ: حالاں کہ ایک حدیث مرسل میں آیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جانور پر تین آدمیوں کو بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ تو مذکورہ روایت میں بظاہر تین لوگوں کا سوار ہونا آپ کے فرمان کے خلاف معلوم ہو رہا ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ جس حدیث میں جانور پر تین آدمیوں کے بیٹھنے کی نہی وارد ہوئی ہے اس سے مراد تین آدمی ہیں؛ کیوں کہ تین آدمیوں کو اُٹھانے میں جانوروں کو بڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ لیکن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک سوار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں باقی دو سوار آدمی نہیں بلکہ بچے ہیں۔

مسند احمد اور صحیح حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم مکہ معظّمہ سے حج یا عمرے کے سفر سے واپس مدینہ طیبہ آئے تو انصار کے کچھ لڑکوں نے آکر ہمارا اِستقبال کیا۔ انصاریوں کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے گھر والے سفر سے واپس آتے تو یہ حضرات آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا کرتے تھے اور جب کوئی حاجی حج کر کے آتا تو آگے بڑھ کر اسے سلام کرنا اس سے مصافحہ کرنا اور اپنے لیے دعا کرانا بھی ان کے معمولات میں سے تھا۔ (١)

حاجی بخشا بخشایا ہوتا ہے: مسند احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جب تم ایک حاجی وزائر سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے یہ استدعا کرو کہ اپنے گھر داخل ہونے سے پہلے تمھارے لیے دعاے خیر کر دے؛ کیوں کہ وہ بخشا بخشایا ہے۔ یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ (٢)

حجاج کرام سے رخصتی اور واپسی پر ملاقات: مسند احمد ہی میں ایک روایت حضرت حبیب بن ابی ثابت (م ١١٩ھ) سے آئی ہے کہ میں اور میرے والد ایک دفعہ گھر

---

(١) مستدرک حاکم: ١/٤٨٨۔

(٢) مسند احمد بن حنبل: ٢/٦٩...... مجمع الزوائد: ٤/١٦۔

سے حاجیوں سے سلام وملاقات کرنے کی غرض سے نکلے،قبل اس کے کہ ان کو گناہوں کی میل لگے۔

حضرت معاذ بن حکم سے روایت ہے کہ ہم سے موسیٰ بن اعین نے بیان کیا،اور وہ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ جب حجاج کرام حج کے اِرادے سے گھر سے نکلنا چاہیں تو ان کو رخصت کیا کرو، اور ان کو دعا کا توشہ دو۔ پھر جب وہ سفر سے لوٹیں تو ان سے مصافحہ وملاقات کرو، اس سے پہلے کہ وہ گناہوں میں مبتلا ہوں؛ کیوں کہ ابھی ان کے ہاتھ بابرکت ہیں۔

حضرت ابوالشیخ اصفہانی (م ۳۶۹ھ) وغیرہ نے بروایت لیث جو انھوں نے مجاہد سے نقل کی ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: حجاج کی مغفرت کردی جاتی ہے اور ذی الحجہ کے بقیہ دنوں میں، نیز محرم،صفر اور ربیع الاوّل کے دس دنوں تک بھی جس کے لیے حجاج مغفرت کی دعا کریں انھیں بخش دیا جاتا ہے۔

نیز مسند بزار اور صحیح حاکم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث آئی ہے کہ 'اے اللہ! تو حجاج کی مغفرت فرما، اور ان کی بھی جن کے لیے حجاج دعاے مغفرت کریں'۔(۱)

حضرت ابومعاویہ ضریر نے حجاج سے، اور انھوں نے حکم سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر باشندگانِ مکہ کو یہ معلوم ہوجائے کہ حجاج کا ان پر کیا حق ہے تو وہ حاجیوں کی آمد پر ان کی طرف دوڑے آئیں اور ان کی سواریوں کو چومنے لگیں؛ کیوں کہ بھری مخلوق میں حجاج کو اللہ نے اپنا وفد ومہمان قرار دیا ہے۔منقطعین کے لیے واصلین کے دامن سے وابستگی کے سوا کوئی چارہ نہیں!۔

---

(۱) ترغیب وترہیب، منذری: ۲/۱۶۷...... مستدرک حاکم: ۱/۴۴۱۔

(حج کے تعلق سے بہت سے شعرا نے طبع آزمائی فرمائی ہے، مصنف نے ان کے چیدہ کلاموں کو قارئین کے ذوق وشوق کو فزوں کرنے کے لیے یہاں نقل کر دیا ہے۔)

علی بن موفق (م۲۶۵ھ) نے ساٹھ سال تک حج کرنے کی سعادت پائی۔ ایک روز ایسا ہوا کہ سنگ اَسود کے پاس بیٹھ کر سوچنے لگے کہ میرا حال یہ ہے کہ میں اس مقدس مقام پر بکثرت حاضر ہوا ہوں؛ لیکن یہ نہیں پتا کہ میرے حج قبول بھی ہوئے ہیں یا نہیں۔ پھر وہیں آنکھ لگ گئی تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آنے والا آکر کہہ رہا ہے: کیا تم اپنے گھر کسی ایسے آدمی کو بھی بلاتے ہو جس سے محبت وچاہت نہیں ہوتی!۔ ابھی اتنا ہی سن پایا تھا کہ نیند ٹوٹ گئی اور مجھ پر مسرت وبشاشت کا اِحساس طاری تھا؛ تاہم ایسا بھی نہیں ہوتا کہ ہر حج کرنے والے کا حج قبول ہی ہو جائے۔ اور نہ ہی ہر نماز پڑھنے والا ایسا ہوتا ہے کہ اسے مقامِ قرب ووصال نصیب ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ ذرا دیکھیے حجاج کتنے زیادہ ہیں!۔ کہنے لگے: حاجی بہت تھوڑے ہی ہیں۔ پھر فرمایا: مسافر زیادہ ہیں لیکن حاجی کم ہیں۔

حرام کمائی سے حج کا وبال: پہلے زمانے کے کسی آدمی نے حج کیا۔ واپسی پر راستے ہی میں انتقال ہو گیا۔ اس کے ہمراہی جب اسے دفن کر کے فارغ ہو گئے تو خیال آیا کہ پیسوں کی تھیلی تو قبر کے اندر ہی چھوٹ گئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے قبر کھول کر تھیلی نکالنی چاہی تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس آدمی کی گردن اور ہاتھ پیسوں کی تھیلی سے جکڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح مٹی ڈال کر وہ واپس چلے گئے۔ اس کے گھر پہنچ کر اہل خانہ سے ماجرا جاننا چاہا تو گھر والے کہنے لگے کہ اس نے ایک دفعہ ایک آدمی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کر لیا تھا اور اسی سے وہ حج کرنے گیا تھا۔ بقولِ شاعر ؎

إذا حججت بمالٍ أصله سحت

فما حججت ولكن حجت العير

لا یقبل اللّٰہ إلا کل صالحۃ

ما کل من حج بیت اللّٰہ مبرور

یعنی جب تو حرام کی کمائی سے فریضہ حج کی اَدائیگی کرنے جائے؛ تو تیرا حج ہی کہاں ہوا، حج تو تیری سواری نے کیا۔ اللہ تو صرف نیک اور پاکیزہ چیزیں ہی قبول فرماتا ہے۔ اسی لیے ہر حاجی کا حج قبول ومنظور ہی نہیں ہو جاتا!۔

بھلوں کے صدقے بدوں کا بھی بھلا: حج مبرور کی سعادت پانے والے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں؛ لیکن یہ تو اللہ کی کرم نوازی ہے کہ نیکوں کے طفیل بروں کے حج بھی قبول فرمالیتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ یوم عرفہ کی شام میں فرماتا ہے:

قد وهبتُ مسيئكم لمحسنِكم .

یعنی 'میں نے تمھارے نیک بندوں کے صدقے تمھارے بروں کو بھی بخش دیا'۔

ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ حج مکمل کرنے کے بعد جب وہ سوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو فرشتے آسمان سے اُترے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے پوچھ رہا ہے کہ اس سال کتنے لوگوں نے فریضہ حج اَدا کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: چھ لاکھ لوگوں نے۔ پہلے نے پوچھا: ان میں سے کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے کہا: صرف چھ آدمیوں کا۔ اچانک بزرگ کی نیند ٹوٹی اور ایک گہری فکر میں ڈوب ہوگئے۔ اگلی شب وہ پھر خواب دیکھتے ہیں اور وہی دونوں فرشتے پھر آکر کچھ اسی طرح کا مکالمہ شروع کرتے ہیں۔ آخر میں جواب دینے والا فرشتہ کہنے لگا کہ اللہ جل مجدہ نے ان چھ آدمیوں کے صدقے میں چھ لاکھ آدمیوں کا حج قبول فرمالیا ہے۔

سلف صالحین میں سے ایک اپنی دعا کچھ یوں مانگا کرتے تھے :

اللّٰهم إن لم تقبلني فهبني لمن شئت من خلقک، من رد عليه عمله ولم يقبل منه، فقد يعوض ما يعوض المصاب فيرحم بذلک .

یعنی اے پروردگار! اگر تو نے مجھے شرفِ قبولیت سے ہمکنار نہیں کیا تو اپنے مقبول بندوں میں سے جسے چاہیں اس کے صدقے مجھے مقبول کر دے۔جس کا عمل مردود ہو جائے اور قبول نہ ہو تو اس کو وہ اَجر دے دیا جاتا ہے جو کسی مصیبت زدہ کو ملتا ہے،اس طرح اس پر رحمت ہو جاتی ہے۔

میدانِ عرفہ میں ایک بزرگ اس طرح دعا مانگ رہے تھے :

اللھم إن کنت لم تقبلني حجی وتعبی ونصبی، فلا تحرمنی أجر المصیبة علی ترک القبول مني .

یعنی اے پروردگار! اگر تو نے میرا حج، میری محنت،اور میری عبادت قبول نہ فرمائی، تو کم از کم مجھے اس مصیبت کے اَجر سے محروم نہ فرمانا جو میرے حج کی نامقبولیت پر مجھے پہنچے گی۔

ایک بزرگ کی دعا کا انداز کچھ یوں تھا :

اللّٰھم ارحمنی فإن رحمتک قریب من المحسنین، فإن لم أکن محسنا فقد قلت : (وکان بالمؤمنین رحیما) فإن لم أکن کذلک فأنا شیئ وقد قلت : (ورحمتی وسعت کل شیئ)، فإن لم أکن شیئا فأنا مصاب برد عملی وتعبی ونصبی فلا تحرمنی ما وعدت المصاب من الرحمة .

یعنی اے پروردگار! مجھ پر رحم فرما کہ تیری رحمت محسنین کے قریب ہے۔اگر میں محسن نہیں (تو مومن ضرور ہوں) اور تو نے فرمایا ہے کہ اللہ اہل ایمان پر بڑا مہربان ہے۔اگر میں ایسا بھی نہیں تو میں ایک شے ضرور ہوں اور تو نے فرمایا ہے کہ میری رحمت ہر شے کو محیط ہے۔اور اگر میں کوئی چیز بھی نہیں تو میں اپنے عمل، اپنی تھکن اور اپنی عبادت کے رد ہو جانے کی وجہ سے مصیبت زدہ ہوں۔لہٰذا تو نے مصیبت زدوں سے رحمت کا جو وعدہ فرمایا ہے کم از کم اس سے تو مجھے محروم نہ فرمانا!۔

حضرت ہلال بن یساف فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اوراس کی وہ دعا قبول نہیں ہوتی ،تب بھی اس کے حق میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ابن ابی شیبہ نے اسے ذکر کیا ہے۔مراد یہ ہے کہ اس کو دعا کے رد ہو جانے پر پہنچنے والی اَذیت کا اَجر دیا جاتا ہے۔

ومن كان في سخطه محسنا

فكيف يكون إذا ما رضي

یعنی جو ذات حالت غیظ وغضب میں اتنی مہربان ہو تو راضی وخوش ہونے کی صورت میں اس کا کیا حال ہوگا!۔

حجاج کی آمد حضورِ الٰہ کا تصور تازہ کردیتی ہے: بیتے دنوں کی بات ہے کہ ایک مسافر سفر سے لوٹ کر گھر آیا۔اس کی آمد نے پورے گھر میں عید کا سماں پیدا کردیا۔اسی گھر میں ایک خاتون بھی رہتی تھیں جنھیں اس کی آمد پر رونا آ گیا،اور دل گرفتہ ہوکر کہنے لگیں: آپ نے سے دراصل مجھے اللہ کے پاس جانا یاد آ گیا کہ وہاں بھی کچھ لوگ خوش وخرم ہوں گےاور کچھ اپنی شامت اَعمال کے باعث ہلاکت میں پڑے ہوں گے۔

ایک بادشاہ نے حضرت ابوحازم سے پوچھا کہ اللہ کے پاس پیشی کا کیا منظر ہوگا؟۔ جواب دیا کہ صاحبانِ تقوی واطاعت کا معاملہ یہ ہوگا کہ جیسے ایک مسافر اپنے لوٹتا ہے،گھر میں شدت سے اس کا انتظار ہو رہا ہوتا ہے،اہل خانہ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور وہ گھر والوں سے مل کر شاداں وفرحاں ہوتا ہے۔جب کہ نافرمانوں کی پیشی حضورِ الٰہ میں ایسے ہوگی جیسے بھاگا ہوا غلام اپنے غضب ناک آقا کے سامنے حاضر ہو جائے۔بقولِ شاعر

لعلك غضبان وقلبي غافل

سلام على الدارين إن كنت راضيا

یعنی شاید تو غضب ناک ہو،پھر بھی میرا دل غفلت میں پڑا ہوا ہے،دونوں جہان کی سلامتی ہے اگر تو راضی وخوش ہو۔

اِسرائیلی روایات میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت کا فرمانِ عبرت نشان ہے: ’’نیکو کاروں کو مجھ سے ملنے کا اِشتیاق بہت بڑھ گیا ہے۔ جب کہ میں ان سے کہیں زیادہ ان سے ملاقات کا مشتاق ہوں۔تو کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے جو ایسے لوگوں کے درمیان ہوں گے جن کے بارے میں کہا گیا ہے :

لاَ یَحزُنُھُمُ الْفَزَعُ الأکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ ھٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ o (سورۂ اَنبیاء۲۱:۱۰۳)

(روزِ قیامت کی) سب سے بڑی ہولناکی (بھی) انھیں رنجیدہ نہیں کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے:) یہ تمہارا (ہی) دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔

اور کتنے ہی لوگ ہوں گے جو ایسے لوگوں کے درمیان ہوں گے جن کے بابت کہا گیا ہے :

یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَھَنَّمَ دَعًّا o (سورۂ طور:۵۲/۱۳)

جس دن کو وہ دھکیل دھکیل کر آتشِ دوزخ کی طرف لائے جائیں گے۔

اہل جنت کے لیے اِعزازات: حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: فرشتے جنتیوں سے جنت کے دروازے پر ملاقات کر کے کہیں گے :

سَلاَمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ o (سورۂ زمر:۳۹/۷۳)

تم پر سلام ہو، تم خوش وخرم رہو سو ہمیشہ رہنے کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ۔

پھر جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو نوعمر بہشتی لڑکے جنتیوں سے ملاقات کا شرف حاصل کریں گے اوران کے اِردگرد ایسا پھریں گے جیسا کہ جب کوئی سفر سے لوٹے تو بچے اس کے اِردگرد لپٹے پھرتے ہیں، اور وہ کہیں گے: آپ کو خوش خبری ہو آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں سرمدی انعامات کا وعدہ فرمایا ہے۔

انھیں لڑکوں میں سے ایک لڑکا اس کی بیویوں کے پاس- جو کہ حوروں میں سے ہوں گی- جا کر اس کا دنیاوی نام لے کر کہے گا: کیا یہ فلاں ہے؟ وہ کہیں گی کیا تم نے اس کو دیکھ لیا؟ کہے گا، ہاں!۔ پھر وہ اپنی خوشی کو چھپائیں گی یہاں تک کہ دروازے کی چوکھٹ سے نکل جائیں گی۔

حوروں کی اپنے شوہروں کے لیے بے تابی: حضرت ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: حورانِ بہشت میں سے ایک حور اپنے ایک خادم کو بلا کر کہے گی: تمھیں کیا ہوگیا ہے! ذرا آگے بڑھ کر دیکھو کہ اللہ کے ولی کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ چنانچہ وہ جائے گا۔ پھر جب اس کو واپس آنے میں تاخیر ہوگی اور حور کا پیمانۂ صبر چھلکنے لگے گا تو وہ اپنے دوسرے خادم کو اپنے آنے والے شوہر کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجے گی۔ جب اسے بھی آنے میں کچھ دیر ہوگی اور حور شدتِ انتظار سے بے تاب ہوجائے گی تو تیسرے خادم کو دوڑائے گی۔

اتنے میں پہلا غلام حاضر ہوکر کہے گا: میں نے اللہ کے دوست کو میزان کے پاس دیکھا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں دوسرا آ کر کہے گا: میں نے اسے پل صراط کو عبور کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب کہ تیسرا آ کر خوش خبری سنائے گا کہ وہ جنت کے دروازے میں داخل ہوگیا ہے، تو وہ حور اپنی خوشی کو دبا لے گی اور استقبال کے لیے جنت کے دروازے پر کھڑی ہوجائے گی۔ جب اس کا جنتی شوہر اس کے قریب آئے گا تو اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال دے گی۔ اس وقت اس حور کی خوشبو اس جنتی کی ناک میں ایسی داخل ہوگی کہ کبھی نہ نکلے گی۔ بقولِ شاعر ؎

قد أزلفت جنة النعيم فيا
طوبى لقوم بربعها نزلوا
أكوابها عسجد يطاف بها
والخمر والسلسبيل والعسل

والحور تلقاهم وقد کشفت

عن الوجوه بها الأستار والکلل

یعنی بلاشبہہ جنت نعیم قریب سے قریب تر کر دی گئی۔ خوش خبری ہے ان لوگوں کے لیے جوان میں اُتریں گے۔

اس کے پیارے سونے کے ہیں جو گردش میں ہوں گے، اور وہاں کے مشروب پاکیزہ شراب، سلسبیل اور شہد ہوں گے۔

اور حوریں اہل بہشت سے اس حال میں ملاقات کریں گی کہ ان کے چہرے سے گھونگھٹ اور پردے ہٹے ہوں گے۔

یہاں پر آکر 'لطائف المعارف' کے پہلے باب 'وظائف شهر الله المحرم' کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اسلامی تقویم کے اندر چھپے اَسرار رموز سے پردہ اُٹھانے اور قمری مہینوں کے وظائف واعمال پر مطلع ہونے کے لیے اصل کتاب 'لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف' کا ضرور مطالعہ کریں۔ اپنے موضوع پر بھرپور کتاب، زندگی کی قدر و قیمت سے آشنائی بخشنے والا نوشتہ، اور توشۂ آخرت جمع کرنے پر آمادہ کرنے والی تحریر دل پذیر۔

اللہ جل مجدہ الکریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہماری دنیا وآخرت کو بہترین کر دے۔ اور ایسے اعمال کی انجام دہی کی توفیق ہمارے رفیق حال کرے جس سے اس کی اور اس کے پیارے محبوب کی رضا وخوشنودی حاصل ہو جائے۔ نیز یہ کتاب مصنف، مترجم اور ناشر سب کے لیے سامانِ آخرت وزادِ عقبیٰ بنے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم

خادم العلم والعلماء

محمد افروز قادری چریاکوٹی

جمعہ، ۵/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ......۱۷/اگست ۲۰۱۸ء

First blessed month of Islamic calendar

Muharram-ul Haraam

محرم، اسلامی تقویم (Islamic Calendar) کا پہلا مہینہ ہے، جسے رب کریم نے خصوصی حرمت وعظمت اور احترام وتقدیس عطا کی ہے۔ یوں تو ماہِ محرم کے تعلق سے بہتر سے نوشتے منصۂ شہود پر آئے؛ تاہم اس تعلق سے مصنف علام نے جن حقائق ومعارف سے پردہ اُٹھایا ہے وہ انھی کا حصہ ہے، ایسی نکتہ رسی، لطائف بیانی، اور معارف آفرینی ہر کسی کا مقسوم نہیں ہوتی۔ محرم چوں کہ اسلامی سال کا نقطہ آغاز بھی ہے؛ اس لیے اس موقع پر ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی تقویم جن بارہ مہینوں پر مشتمل ہے اُن کی تخلیق اور تعداد من جانب اللہ ہے۔ اور اسلامی تقویم کا نقطہ آغاز ہجرتِ نبویہ ہے۔ ہجرت' ایک عبادت، دعوت دین کا ایک مرحلہ، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک اہم باب اور انقلابی موڑ ہے۔

۱۴۳۹ھ اپنی بساط بس لپیٹنے ہی والا ہے، اور ۱۴۴۰ھ کی آمد آمد ہے۔ اس موقع پر آئیے ہم اپنے اندر کچھ تبدیلی لانے کا ایک چھوٹا سا عہد کریں کہ ہم میں کا ہر شخص اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس اسلامی تاریخ کا کثرت سے استعمال کرنے کی عادت ڈالے؛ کیوں کہ اس سے ہماری تاریخ، ثقافت اور تہذیب وابستہ ہے...... اسلامی تقویم سے متعلق ہر طرح کی احتسابی کیفیت کو ہمہ وقت ذہن وفکر میں بسائے رکھا جائے، تاکہ ہر گزرتا ہوا دن آخرت کی جواب دہی کی یاد تازہ کرتا رہے...... ہر سالِ نو کی آمد پر اُمت مسلمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیش آمدہ نئے سال کے لیے اپنا ایک جامع لائحہ عمل تیار کرے اور وقت کو منصوبہ بند طریقے سے استعمال کرنے کا مومنانہ جتن کرے۔ خدا ہمیں محرم الحرام کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور کرے، نیز سالِ نو ۱۴۴۰ھ کو اُمت مسلمہ کے لیے عظمت رفتہ کی بحالی، اور عزت وغلبے کا سال بنائے۔ اور ہر طرح کی امن وسلامتی اور شوکت وافتخار اس کا نصیبہ کرے۔ آمین۔

محمد افروز قادری چریاکوٹی

SUNNI PUBLICATIONS
2818/6, Gali Garahiya, Kucha Chellan
Darya Ganj, New Delhi- 110002
Mob.:9867934085
Email: zubair006@gmail.com

KAMAL BOOK DEPOT
MADRASA SHAMSUL ULOOM
GHOSI, Distt. MAU, (U.P)
Cell: 9935465182